2022 سالانہ علمی و اصلاحی کتابچہ



راہِ علم کا سرچشمہ

Fountain of Knowledge



انسانی شخصیت میں خیر کا پہلو جس قدر نمایا ہوگا
وہ اُسی قدر محترم قرار پائے گا
(نفحاتِ سیرت، ص:40)



سرپرستِ اعلیٰ
حضرت ابوالوقار سید صابر اشرف جیلانی
حفظ اللہ ونفعنا من برکات علومله الشریفه

اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کی دعوت دی ہے اور فرمایا:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

(ص: 29)

ترجمہ: ہم نے آپ کی طرف جو کتاب نازل کی ہے وہ بابرکت ہے، تاکہ وہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور اہل دانش نصیحت حاصل کریں۔

حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

(تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ)

(الزهد لأبي داود السجستاني، أبو داود سليمان بن الأشعث السِّجِسْتاني (المتوفى: 275ھ)،ص:191،مطبوعه: دار المشكاة للنشر والتوزيع، حلوان، 1414 ھ، 1993 م)

ترجمہ: ایک ساعت کا تفکر، ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولای صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم
محمد سید الکونین والثقلین
والفریقین من عرب ومن عجم

اللّٰھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم

کوئی کا اُس وقت تک نہیں ہو سکتا
جب تک اُس کے لئے کوئی خواب نہیں دیکھا جائے

الجامعة المخدومية الاسلامية

بفیضانِ نظر

حضرت ابوالمحبوب سید مخدوم
اشرف اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت اشرف الشائخ
ابو محمد شاہ سید احمد اشرف اشرفی
الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت ابووقار سید صابر اشرف
اشرفی الجیلانی
مدظلہ العالی

ایڈیٹر

حضرت علامہ سید اظہار اشرف
اشرفی الجیلانی مدظلہ العالی

پروف ریڈر

ڈاکٹر سید شہریار اشرف اشرفی
الجیلانی مدظلہ العالی

سب ایڈیٹر

حضرت سید محمد وقار اشرف
اشرف الجیلانی مدظلہ العالی

نگرانی نظامی امور

اسلم اشرفی، محمد احسن اشرفی



انسان اگر خود اچھا ہے تو دوسرے کی برائی اُسے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچاسکتی۔ یہ حقیقت ہے اور اسی حقیقت کے پیشِ نظر یہ کتابچہ "راہِ علم کا سرچشمہ" اخلاق سے اخلاص تک کے سفر کو یقینی بنانے کے لئے اصلاحی تحریریں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

اس حوالے سے آپ کی رائے ہمارے لئے بہت اہم ثابت ہو سکتی ہے۔

اصلاحی
معاشرہ

تعارف پیش نظر

اس اصلاحی کتابچہ کی غایتِ تالیف اور مقصدِ اشاعت بس یہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہر انسان کا شعور اُجاگر ہو۔وہ ترقی اور تعمیرِ ذات والے راستے کا دل سے متلاشی ہو،ہر شخص بالخصوص علماء اپنے منصب کے تقاضوں اور ذمہ داریوں کا حق ادا کریں۔اللہ اپنے سارے عباد(بندوں)بالخصوص علماء کو قرآنِ حکیم کے ذریعے کائنات کی تخلیق اور اس کے ذرّے ذرّے کی ماہیت کے بارے میں دعوت دے رہا ہے کہ وہ اِس کی کائنات اور قدرت وصناعی میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے!اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ وصناعی کا شعور و ادراک ایسے ہی علماء کو ہو گا جنہیں عصرِ حاضر کی جامع اصطلاح میں سائنٹسٹ کہا جاسکتا ہے۔جو خالقِ حقیقی،قادر مطلق کی ایک ایک تخلیق،زمینوں آسمانوں کے ہر ہر طبقہ،ایک ایک شے میں کارفرماوآشکار مظاہرِ قدرت اُن کے مختلف رنگوں حتیٰ کہ ہر خطہ ہر قوم کی زبانوں میں بھی غور وفکر کرے،حقیقی جائزہ لے تو یقیناً حیراو ششدراور عاجز ہو کر ہر عالم یہ کہہ اُٹھے گا کہ "وَاللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ"۔

روزانہ کے 24 گھنٹوں میں اکل و شرب،دنیاوی لذتوں سے بھرپور استفادہ اور پھر چھ آٹھ گھنٹوں تک چادر تان کر تھکن اُتارنے،سکون حاصل کرنے کے لئے نیند کے جھولے میں ہلکورے لیتے رہیں تو ساری زندگی،روزانہ انسانوں کے اس "ایکشن رِی پلے"(Action Replay)اور اعمال کی پُرسش سے بے نیاز جانوروں کے معمولات میں فرق کیا ہے؟۔

عارضی حیاتِ دُنیاوی میں اِرادی، غیر ارادی سرزد اعمال، قبر، حشر، پُرسش اعمال جنت ودوزخ کے بارے میں علم رکھنے کے باوجود لاپرواہی، بے خوفی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی واہتمام سے بے نیازی آخر کب تک!

طِفل ہو، جوان ہو کہ بُوڑھا اُن کی عمر کا لحاظ کئے بغیر اللہ کے حکم کے مطابق موت کا فرشتہ سانس کی ڈور کو آچانک توڑ کر پھینک دے گا۔للہ عاجزانہ التماس اور خواہش ہے کہ ہر کلمہ گو بھائی، بہن جہنم کا ایندھن بننے سے بچیں اور جنت کے مستحق بن جائیں۔

آپ بھی اِس کتابچہ کے لیے اپنی تجاویز دے سکتے ہیں اور ہمارے اِس مقصد کی اصلاح کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کے ہر نیک عمل کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ہمیں اس حوالے سے اس طرح توفیق دے کہ ہمارے اعمال کی تاثیر کو مثبت صورت میں مسلمانوں کی نسلوں میں نظر آئے۔

آمین

خاک پائے مخدوم سمنانی

ابو سلطان سید اظہار اشرف الجیلانی

1/Jan/2022



راہ ِعلم کا سر چشمہ

کمپوزنگ: محمد عبد القادر اشرفی

(معاون حضرات)

- محمد طاہر خان
- محمد جہانزیب اشرفی
- محمد کامران قادری





فہرست



اس دنیا میں تمام فساد کا ذمہ دار انسان خود ہی ہے

از قلم: سید صابر اشرف جیلانی

یہ دنیا انسان کے لئے ایک امتحان ہے، انسان بہت سی چیزیں دیکھتا ہے سمجھتا ہے اور اگر یہ اس کے لئے فائدے مند ہے تو اس کو اپنے عمل میں بھی لاتا ہے لیکن بعض فطری کمزوریوں کی وجہ سے انسان کچھ ایسی برائیوں کو اچھا سمجھ کر اختیار کرلیتا ہے کے جو فساد فی الارض کا سبب بن جاتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿الروم: ۴۱﴾

خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں سے کی ہوئی بد اعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا تا کہ اللہ انھیں ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ چکھائے شاید وہ باز آجائیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

فساد سے مراد ہر وہ خرابی اور بگاڑ ہے جس سے انسانی معاشرہ میں امن وسکون تباہ ہو جائے یہ کبھی انسان کے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ کی طرف سے تنبیہ ہوتی ہے جیسے نعمتوں کا زائل ہونا اور آفات اور مصائب کا آنا مثلاً قحط آنا اور زمین میں پیداوار کا نہ ہونا بارشوں کا رک جانا یا بہ کثرت سمندری طوفانوں کا آنا دریاؤں میں سیلاب آنا فوائد کا کم اور نقصانات کا زیادہ ہونا زلزلوں کا آنا آگ لگ جانے ڈوب جانے مال چھن جانے چوری اور ڈاکہ کے واقعات کا زیادہ ہونا ہمارے زمانے میں دہشت گردی کے واقعات عام ہو رہے ہیں ہوائی جہاز اغوا کر لیے جاتے ہیں عمارتیں بموں سے اڑادی جاتی ہیں ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء میں نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے ۱۱۰ منزلہ دوٹ اوروں کے ساتھ اغوا کیے ہوئے دو ہوائی جہاز ٹکرائے گئے اور وہ دونوں عمارتیں ملبہ کا ڈھیر بن گئیں اسی دن واشنگٹن میں "پینٹا گون" کی ایک عمارت کے ساتھ ایک ہوائی جہاز ٹکرایا اور اس کی عمارت کا پیشتر حصہ تباہ ہو گیا فلسطین پر اسرائیل کے مظالم جاری ہیں سری لنکا میں برسوں سے خونی جنگ ہو رہی ہے ۱۹۴۴ء میں جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو ایٹم بم گرائے گئے تھے یہ واقعہ ابھی زیادہ پرانا نہیں ہوا ہمارے شہر کراچی میں اور اسی طرح دوسر شہروں میں سیاسی مذہبی علاقائی اور لسانی اختلاف کی بناء پر لوگ ایک دوسرے کو قتل کررہے ہیں زندہ جلارہے ہیں۔ انسان کے جسم سے کھال اتاری جاتی ہے اس کے جسم کو سگرٹوں سے داغا جاتا ہے اس کے جسم میں ڈرل مشین سے سوراخ کیے جاتے ہیں روز گاڑیوں کے چھن

جانے اور اغوا برائے تاوان کے عام واقعات ہوتے ہیں 'البر اور البحر کنایہ ہے تمام دنیا سے 'غرض ساری دنیا فساد کی زد میں ہے 'ہم جنس پرستی کی بناء پر ایڈز کی بیماری کی وبا پھیل گئی ہے 'فحاشی اور بے راہ روی کی وجہ سے لوگوں کا ذہنی سکون ختم ہو گیا لوگ رات کی نیند سے محروم ہو گئے پھر سکون کی تلاش میں لوگوں نے تیز سے تیز نشہ کی پناہ لی 'خود کو شراب میں ڈبو دیا 'ہیروئن 'چرس 'راکٹ اور پیتھوڈین کے انجیکشنوں سے خود کو تباہ کر لیا اور تمام فساد اللہ تعالیٰ سے بعاوت اور سرکشی کا نتیجہ ہے یہ شرک اور بد اعمالیوں کا ثمر ہے۔

اور تم کو جس قدر مصائب پہنچتے ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کیوجہ سے ہیں اور بہت سی باتوں سے ' اللہ درگزر فرمالیتا ہے۔(الشوریٰ:۳۰)

مکہ کے کفار سیدنا محمد (ﷺ) کی مخالفت کرتے تھے اور شرک اور کفر کو ترک نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ آپ اہل مکہ سے کہیے تم زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا جن میں سے اکثر مشرک تھے یعنی تم زمین میں پچھلی امتوں پر آئے ہوئے عذاب کی نشانویں پر غور کرو 'عاد اور ثمد کی بستیوں میں تباہی کے آثار کو دیکھو 'دشت لوط پر غور کرو 'اللہ تعالیٰ کس طرح سابقہ امتوں کو ان کے کفر اور شرک اور فطرت سے بغاوت کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا 'اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان کو کس طرح مالیامیٹ کر دیا گیا 'اور صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا 'سو تم ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو 'شرک اور کفر سے توبہ کر لو اور ہمارے رسول جس دعوت کو لے کر اٹھے ہیں 'جس نظام زندگی پر عمل کرنے کے لیے تم سکے کہہ رہے ہیں اور ہمارے جس پیغام کو پہنچا رہے ہی اس کو قبول کر لو اور ایمان لے آؤ اور نیک اعمال کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو برباد ہونے سے بچالو!

(علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، ج:9، ص:200، مطبوعہ: فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، پاکستان)

فواحش کی روک تھام

(تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں)

از قلم: ڈاکٹر فہد انور

اِک پورا تمدن ہے تیری سیرتِ اطہر
تہذیب نے سیکھا کہ ہے تہذیب کا فن کیا

یوں تو عالمِ انسانیت پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے احسانات کی فہرست طویل ہے، جس کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ البتہ ان بے شمار احسانات میں سے ایک عظیم مہربانی عفت و عصمت کا وہ پاکیزہ نظام ہے، جس کی تابانیوں سے تاریک دل جگمگا اُٹھتے ہیں۔ ایک لمحے کو ماضی میں جھانکتے ہیں۔ فاران کی چوٹیوں سے آفتابِ نبوت ابھی طلوع نہیں ہوا، انسانی قدریں جاہلی عصبیت کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں، خدا کی دھرتی پر انانیت اور نفسانیت کا دور دورہ ہے، قتل و قتال عام ہے، رقص و سرود 1 کی محفلیں جمتی ہیں، مینا و جام کا دور چلتا ہے، رشتے ناتوں سے بے خبر لوگ چند روزہ زندگی پر تن من دھن قربان کیے جا رہے ہیں۔ ایک نظر حماسہ کی شاعری کو دیکھیں، سبعہ معلقہ پڑھ کر دیکھیں تو فحاشی، پست ذہنی، مال، زر، زن اور قبائلی عصبیت کے مناظر چہرہ بدل بدل کر ملیں گے۔ شعراء کے ہاں تشبیب کے اشعار کو بلند مقام حاصل ہے، جس میں عورت کے حسن و جمال کا تذکرہ کیا جاتا تھا۔ اس پسِ منظر کو سامنے رکھ کر نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے پاکیزہ نظام ِ حیات کی اہمیت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں مسلمانوں کے متکلم سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر سے نبی علیہ السلام کے برپا کیے ہوئے انقلاب کا نقشہ سامنے آتا ہے۔ یورپ کے صنعتی انقلاب اور مختلف ملکوں میں عیارانہ تسلط کے بعد یورپی تہذیب نے محکوم قوموں کے دل و دماغ کو بھی متاثر کیا۔ یہ تہذیب مادّے کی محبت و تعلق سے عبارت تھی۔ لہٰذا اس میں اعلیٰ روحانی اقدار کی جگہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ نتیجۃً اس میں نفسانی خواہشات کی پیروی اور شہوانی جذبات کی اندھی تقلید نظر آتی ہے، جو عقل پر پردے ڈال کر انسان سے گھٹیا حرکات کرواتی ہے۔ ہم اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے فواحش اور بے حیائیوں کو دیکھیں تو سب میں نفسانی خواہشات کی پیروی کار فرما

[1] (فروز اللغات اردو، الحاج مولوی فروزالدین، ص:755، مطبوعہ: فیروز سنز، لاہور، 2005)

نظر آتی ہے۔ بے پردگی، ناچ گانا، ساز باجے، گالم گلوچ، بدکاری وغیرہ میں سے ایک ایک فحش کام دیگر کئی فواحش کو فروغ دیتا ہے۔

آج مسلمانوں کی اکثریت والا ہمارا معاشرہ سلگ رہا ہے۔ گھرانے تباہ ہو رہے ہیں۔ اولاد والدین کی نافرمان ہے۔ پابندیوں کو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا اور ٹی وی وغیرہ پر ایسے مناظر دکھائے جا رہے ہیں، جن کا کبھی زبان پر لانے سے مر جانا بہتر سمجھا جاتا تھا۔ موبائل فون نے نوجوان لڑکے لڑکیوں کو خوب صورت پیکیجز کے نام پر مفت میں طویل گفتگو کے مواقع فراہم کر دیے ہیں۔ کئی نوجوان ان ناکام محبتوں کی بھینٹ چڑھ کر تباہ ہو چکے ہیں۔ وہ ڈپریشن کا شکار ہو کر زندگی میں عملی کاموں سے محروم ہو گئے ہیں۔ ایسے وقت میں اُمید کی کرن صرف اور صرف نبی کریم ﷺ اور آپ کے سچے پیروکاروں کی تعلیمات ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زندگی اور تعلیمات میں اِن فواحش کو رُوکنے کے لیے کیا تدبیریں بتلائی گئی ہیں۔

حیا کی تاکید:

حیا اس جذبے کا نام ہے، جو ملامت اور الزام کے خوف سے کسی کام کے کرنے سے باز رکھتا ہے۔ حیا اچھی بھی ہو سکتی ہے، جب کہ کسی برائی سے ہو اور بُری بھی ہو سکتی ہے،

جب کسی نیک کام کرنے سے مانع ہو۔ البتہ جب عام طور پر حیا کا لفظ بولا جاتا ہے تو کسی گندے کام اور گناہ سے رُکنے پر بولا جاتا ہے۔ لہٰذا اب حیا کا مفہوم برائی، گندگی وغیرہ سے ملامت و الزام کے خوف سے رُکنا ہے۔ یوں تو حیا کا جذبہ فطری طور پر انسان میں القا بھی کیا گیا ہے، لیکن صاحبِ شریعت ﷺ نے اپنی تعلیمات سے اس کو مؤکد اور راسخ کیا ہے۔ حیا کو ایمان کا لازمی حصہ قرار دیا گیا ہے۔ حیا و ایمان کو لازم و ملزوم بنایا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

"حیا اور ایمان ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اُٹھ جائے تو دوسرا خود بخود اُٹھ جاتا ہے"۔ (مشکوۃ کتاب الادب)

ایک دوسری حدیث میں ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ حیا کو قرار دیا گیا ہے۔ (ایضا)

رسولِ اطہر ﷺ خود بھی اُمت کے سامنے عملی نمونہ چھوڑ گئے ہیں۔ آپ ﷺ ہی ظلم کی زوجہ مطہرہ امّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ عادتاً سخت گو تھے اور نہ باتکلف سخت کو بنتے تھے۔ آپ بازاروں میں خلاف و قار باتیں کرنے والے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے۔ آپ ﷺ معاف فرما

دیتے تھے۔ غایتِ حیا سے آپ کی نگاہ کسی شخص کے چہرے پر نہ ٹھہرتی تھی۔ اگر کسی نامناسب بات کا کسی ضرورت سے ذکر کرنا ہی پڑتا تو کنایہ میں فرماتے۔(نشر الطیب)

نگاہ کی حفاظت: فواحش کی رُوک تھام کا دوسرا نبوی علاج:

قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ میں مؤمن مردوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کو نامحرم عورتیں دیکھنے سے بچائے رکھیں۔ ایسی عورتوں کو کھلے طور پر دیکھنے سے باز رہیں۔ اسی طرح مؤمن عورتوں کو بھی نامحرم مردوں کو دیکھنے سے رُوکا گیا ہے۔ ان کی وجہ خود نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد گرامی سے معلوم ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! کسی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جائے تو نظر پھیر لو۔ اس پر دوسری نگاہ نہ ڈالو۔ پہلی نگاہ تمہاری ہے، مگر دوسری نگاہ تمہاری نظر نہیں ہے۔ بلکہ وہ شیطان کی طرف سے ہے)(مشکوۃ، کتاب النکاح باب النظر)

اس طرح نبی کریم ﷺ نے شیطان کے بہت بڑے جال میں پھنسنے سے بچنے کا بہت بڑا گر اُمّت کو بتلا دیا۔ شیطان نگاہ کے ذریعے غیر عورت یا مرد کی محبت دل میں ڈال کر برائی اور بدکاری کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ انسان حسنِ ظاہر پر فریفتہ ہو کر ایمان کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل جو شخص اپنی نگاہوں کی حفاظت کرتا اور نامحرم کو شدید مجبوری کے علاوہ نہیں دیکھتا، اسے دنیا میں نقد انعامات و حلاوت ایمانی ملتی ہے۔

ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو مسلمان کسی عورت کے حسن و جمال کو (اچانک) دیکھ کر اپنی آنکھ بند کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ایسی عبادت نکال دیتا ہے، جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پاتا ہے"۔(مسند احمد، تتمہ مسند الانصار)

بہر حال بدنگاہی شیطان کا ایک موثر ہتھیار ہے، جس کے ذریعے اس نے بڑے معرکے سر کیے ہیں۔ نبی علیہ السلام کی دعاؤں میں نگاہ کے شر سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ ہمارے دور میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی بدولت، نیز بے پردگی کے سبب بدنگاہی کا مہلک مرض عام ہو چکا ہے۔ اکثر و بیشتر اس کی برائی کا تصور بھی ختم ہو چکا ہے۔ لوگ کھلے عام نامحرم کو دیکھتے ہیں اور پھر سوچ کے پاک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی سیرت کے درج ذیل واقعے سے سبق لینا چاہیے:

ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں اور حضرت میمونہ بھی موجود تھیں۔ ایک نابینا صحابی عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا کہ ابن ام مکتوم سے پردہ

کرو۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہانے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ وہ تو ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کہ تم انہیں نہیں دیکھ سکتیں؟ (ابو داؤد، کتاب الآداب)

فواحش کی رُوک تھام کا تیسرا نبوی نسخہ: پردہ کی پابندی:

مومن مردوں اور عورتوں کو نگاہوں کی حفاظت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مؤمن عورتوں کو اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے جسم کو نامحرم مردوں سے چھپائیں، تاکہ مردوں کو بدنگاہی کا موقع میسر ہی نہ آسکے اور بدکاری کا سدباب ہو۔ چنانچہ عورت کے لیے سب سے پہلے تو اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ وہ بغیر کسی شرعی مجبوری کے گھر سے باہر ہی نہ نکلے۔ اگر بدرجہ مجبوری نکلے تو اپنے جسم کے کپڑوں پر چادر، برقعہ لے، جس سے اصل کپڑوں کا بھی پردہ رہے۔ اگر کام کاج کی وجہ سے بڑی چادر برقعہ نہ لے سکے، مثلاً گھر کی خادمہ ہے تو منہ ہاتھ کلائیوں تک اور پاؤں ٹخنے تک چھوڑ کے باقی سارا جسم ڈھانپ لے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہماراوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے لیے گھر سے باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں، مگر بحالت اضطراری و مجبوری۔ (اُسوہ رسول اکرم ﷺ۔ بحوالہ طبرانی)

آپ ﷺ نے ایک صحابیہ اسماء رضی اللہ عنہا کو نصیحت فرمائی کہ جب عورت بالغ ہو جائے تو ایسا لباس مت پہنے، جس سے اس کا جسم نظر آئے۔ (سنن ابی داؤد، باب: فیما تبدي المرآۃ من زینتھا)

چوتھا نسخہ: اختلاط سے اجتناب:

نبی کریم ﷺ نے نگاہوں کی حفاظت اور پردے کی پابندی کے ساتھ بھی نامحرم مرد اور عورت کے تنہا ملنے پر سخت پابندی لگائی ہے۔ چونکہ تنہائی میں برائی سے رُکنے کا کوئی معاشرتی مانع موجود نہیں ہوتا، لہٰذا ایسے وقت میں آدمی شہوانی جذبات سے مغلوب ہو کر برائی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی ﷺ نقل کرتے ہیں کہ تم ایسی عورتوں کے پاس مت داخل ہو، جن کے شوہر موجود نہیں ہیں۔ کیونکہ شیطان تمہاری رگوں میں خون کے ساتھ چلتا ہے۔ (مشکوۃ، کتاب النکاح، باب النظر)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: نامحرم عورتوں کے پاس مت جاؤ۔ ایک انصاری نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ دیور کے بارے میں کیا رائے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "دیور تو موت ہے"۔ (یعنی اس سے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے)۔ (ایضاً)

ایک اور جگہ نامحرم کے ساتھ تنہائی کی قباحت یوں بیان فرمائی ہے کہ غیر عورتوں کے ساتھ تنہائی میں رہنے سے بچو۔ قسم ہے اُس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ جب بھی کوئی مرد کسی غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں ہو تو ان کے درمیان تیسرا شیطان آجاتا ہے اور اپنا وار کرنے لگتا ہے۔(المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث:7830)

جس طرح غیر مرد اور عورت کا تنہا ہونا خطرناک ہے، اسی طرح مجمع میں بھی غیر عورت کے ساتھ مرد کے جسم کا چھونا حرام ہے۔ نبی ﷺ نے اس پر شدید تکبیر فرمائی ہے۔ آج کل ہمارے ہاں یہ وبا بھی پھیلتی جارہی ہے کہ ایک ہی خاندان کے نامحرم مرد و عورت ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔ جن پبلک مقامات پر رش ہوتا ہے، وہاں اس کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ غیر مرد و عورت ایک دوسرے سے ٹکرارہے ہوتے ہیں۔ غیر مرد و عورت کا اس قسم کا اختلاط غیر شرعی ہے۔ نبی ﷺ نے اس کے مفاسد کو بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے کہ آدمی کا بدبودار سڑی ہوئی کیچڑ میں لتھڑے سور سے ٹکراجانا گوارا ہے، اس کے مقابلے میں کہ اس کے شانے کسی ایسی عورت سے ٹکراجائیں، جو اس کے لئے حلال نہ ہو۔(اُسوۂ رسول اکرم ﷺ۔ بحوالہ ابو داؤد)

پانچواں نسخہ: کانوں کی حفاظت:

نگاہوں کے غلط استعمال پر پابندی، پردے کی تاکید اور غیر مرد و عورت کے اختلاط سے بچنے کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے کانوں کے غلط استعمال سے بھی روکا ہے۔ کانوں کے غلط استعمال سے مراد اِن باتوں کا سننا ہے، جنہیں شریعت نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور جن کے سننے سے دل میں ناجائز جذبات اُبھرتے ہیں۔ ان میں موسیقی، عشقیہ کلام، مرد کا لذّت حاصل کرنے کے لیے غیر عورت کی آواز سننا اور غیبت وغیرہ شامل ہیں۔ آج کل ساز باجے گانے عام ہیں، جن سے شاذ و نادر کوئی گھر اور محفل پاک ہے۔ ثقافتی شو کے نام پر موسیقی کی نئ دھنیں ترتیب دی جاتی ہیں اور اسلامی ثقافت کو یکسر بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ موسیقی کو تفریح قرار دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں انسانی جذبات کی عمدہ رعایت موجود ہے، لیکن اِن جذبات کو پست ہونے سے بچانے کے لیے حدود و قیود بھی مقرر ہیں۔ عام مشاہدہ ہے کہ جو لوگ موسیقی، گانوں باجوں کے عادی ہوتے ہیں، وہ آخرت سے غافل اور پست ذہنی کا شکار ہوتے ہیں۔ اِن کی وضع قطع اور چال ڈھال سے اِن کی ذہنی کج روی عیاں ہوتی ہے۔ گانے بجانے میں زیادہ مشغول رہنے والوں کے لیے مرد و عورت کا بے حجابانہ اختلاط، بے پردگی، بدنگاہی وغیرہ فواحش کا ارتکاب کوئی

معنی نہیں رکھتا۔ چنانچہ فساق وفجار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کم وبیش سب ہی موسیقی پسند کرتے اور شوق سے سنتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے آلاتِ موسیقی کو کتنا ناپسند کیا اور اِن کی آوازوں سے بچنے کا کتنا اہتمام کیا، اس کا پتہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے ہوتا ہے، جو نبی علیہ السلام کی اداؤں کے عاشق تھے:

نافع ؒ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں پر انگلیاں رکھ لیں اور اپنی سواری کو راستے سے موڑ لیا۔ پھر کہنے لگے: اے نافع! اب بھی آواز آرہی ہے؟ میں نے عرض کیا، جی! چنانچہ آپ چلتے رہے، حتی کہ میں نے عرض کیا کہ اب آواز نہیں آرہی تو آپ نے اپنے کانوں پر سے ہاتھ ہٹا لیے اور اسی راستے پر آگئے۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے چرواہے کی بانسری کی آواز سن کر ایسا ہی کیا تھا۔ (ابو داؤد، کتاب الادب، باب کراہیۃ الغنا)

ساز باجے اور گانے میں مشغولیت اللہ سے اور آخرت سے غافل کیوں کر دیتی ہے؟ اس کی وجہ خود آنخضرت ﷺ کے ایک ارشاد سے معلوم ہوتی ہے کہ گانا آدمی کے دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "گان دل میں نفاق کو ایسے اُگاتا ہے، جیسے پانی کھیت کو اُگاتا ہے"۔ (مشکوۃ)

نبی کریم ﷺ نے آلاتِ موسیقی میں سے بعض کے نام لے کر اِن پر نکیر کی ہے۔ ابو داؤد شریف کی ایک حدیث ہے: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت پر شراب، جوئے اور طبیل کو حرام کیا ہے اور آپ ﷺ نے اس کے علاوہ بھی کچھ چیزیں گنوائیں۔ (ابو داؤد)

گانوں باجوں کی شناعت (برا ہونے) کو یہی بات کافی ہے کہ آنخضرت ﷺ نے اس گناہ کے نتیجے میں صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش ہونے کی خبر دی ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس اُمت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ ایسا کب ہو گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب گانے والی عورتوں اور باجوں کا رواج عام ہو جائے گا اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی۔ (ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی علامہ حلول المسخ والفسف)

ترمذی شریف کی ایک دوسری حدیث میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ارشاد نقل کرتے ہیں: جب میری اُمت پندرہ چیزوں کی عادی ہو جائے تو اس پر مصائب نازل ہوں گے۔ اِن میں ایک بات یہ بھی ہے کہ جب گانے والی عورتیں اور باجے رواج پکڑ جائیں۔ (ایضا)

بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں جناب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے سامنے اپنا خواب بیان کیا، جس میں آپ کا گزر کئی ایسے لوگوں پر ہوا، جنہیں طرح طرح کے عذاب دیے جارہے تھے۔ اُن میں ایک تنور میں ننگے مردوں اور عورتوں کو دیکھا، جو آگ کی لپٹ پر آنے پر چلاّتے تھے۔ آپ ﷺ کو بعد میں بتایا گیا کہ یہ زناکار مرد اور عورتیں تھیں۔(بخاری شریف، کتاب التعبیر)

نبی کریم ﷺ نے اس ترغیب وترہیب کے ساتھ حسبِ موقع و محل اس قبیح فعل کی بُرائی کو مثال دے کر سمجھایا۔ چنانچہ ایک نوجوان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے کہ مجھے زنا کی اجازت دی جائے۔ آپ ﷺ نے انہیں قریب بلایا اور پھر اِن سے پوچھا کہ کیا تم یہ کام اپنی ماں کے ساتھ اچھا سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی اپنی ماں کے ساتھ اچھا نہیں سمجھتے۔ اسی طرح بیٹی، بہن، خالہ اور پھوپھی کا ذکر کرکے اسی طرح سمجھایا تو بات ان کو سمجھ آگئی۔ چنانچہ عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میرے لیے دعا فرمایئے۔ آنحضرت ﷺ نے سر پر یا سینے پر ہاتھ رکھ کے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما۔ اس کا دل پاک فرما اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کی نگاہ کسی بد عملی کی طرف نہ اُٹھتی تھی۔(شعب الایمان، باب تحریم الفروج)

آخر میں ہم مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت پیش کرتے ہیں، جسے بار بار پڑھتے رہنے سے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور گناہوں سے روک پیدا ہوگی:

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ سے حیا کرو، جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔ ہم نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں اور اس پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نہیں، بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرے، جیسی حیا کرنے کا حق ہے تو وہ اپنے سر اور جو اس کے آس پاس کی چیزیں ہیں، اُن کی حفاظت کرے۔ پیٹ اور جسے پیٹ نے گھیرا ہوا ہے، اس کی حفاظت کرے۔ موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کو یاد رکھے۔ جس نے آخرت کی زندگی کا ارادہ کیا، اس نے دنیا کی زیب وزینت پر فریفتہ ہونے کو چھوڑ دیا۔ پس جس شخص نے ایسا کرلیا، اس نے اللہ تعالیٰ سے ایسے حیا کرلی جیسا(اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔(مسند احمد بن حنبل، رقم:3671)

(ڈاکٹر فہد انوار، پیکرِ انوار ﷺ، مطبوعہ: علم و بصیرت، اسلام آباد، پاکستان، 2020ء، ص:35)

غیر مسلم خودکش حملہ آور۔ تاریخ و تجزیہ

از قلم: ڈاکٹر عمیر محمود صدیقی

9/11 کے بعد کی دنیا قبل از 9/11 کی دنیا سے یکسر مختلف ہے۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر ہونے والا حملہ False Flag Operation تھا تاکہ تیسری جنگ عظیم عالم اسلام پر مسلط کی جا سکے۔ اس واقعہ کے بعد سے تاحال افغانستان، عراق، شام، برما، غزہ اور دیگر اسلامی ممالک میں تقریبا 50 لاکھ سے زائد مسلمان شہید کیے جا چکے ہیں۔ مسلمانوں کے قتلِ عام کا یہ سلسلہ 15 ویں صدی عیسوی سے تاحال جاری ہے جس میں اندازاً دو کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ نو آبادیاتی دور (1500ء تا 1960ء) میں یورپ اور روس نے اس کرۂ ارض پر موجود مسلمانوں کے تمام ہی علاقوں کو اپنی کالونی بنا لیا تھا جس کے نتیجے میں اِن کی تہذیب، معیشت، سیاست، دفاع، معاشرت کو تباہ کیا گیا، مسلمانوں کے وسائل پر قبضہ کیا گیا اور لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ جنگوں کے اس جنون اور دنیا کے وسائل پر قبضہ کرنے کی ہوس فرعونیت کے بارے میں روس کا ہندوستان میں ذہنی تخریبی پر مامور آفیسر Thomas Schuman خود اپنی کتاب Black is Beautiful Communism is not, میں اعتراف کرتا ہے کہ لینن کے قائم کردہ نظام نے ملین انسانوں کا قتل عام کیا۔

(Thomas Schuman, Beautiful, Communism is Not,Page:4)

مسلمانوں کی تاریخ کو تاریخ کے اس عظیم حادثے کے نقطۂ نظر سے لکھنا ضروری ہے جس میں مسلمانوں کے معاشی، سیاسی، دفاعی، معاشرتی اور فکری حالات کو تین ادوار کے پیشِ نظر رقم کیا جائے:

1۔ نو آبادیاتی دور سے قبل
2۔ نو آبادیاتی دور کے دوران
3۔ نو آبادیاتی دور کے بعد



الجزائر: فرانس کے مسلمانوں کا قتل عام

اس تاریخ کا اپنے اصل حقائق و واقعات، اسباب و نتائج کے اعتبار سے لکھا جانا اور نئی نسل تک منتقل کرنا اُمت مسلمہ پر فرض اور قرض ہے۔ ہماری نئی نسل اپنے ماضی سے جاہل، حال سے بیزار اور مستقبل سے مایوس ہے۔ ان میں زندگی کی نئی اُمنگ پیدا کرنے اور دشمنوں کی پہچان کرانے کیلئے تاریخ کے اِن گمشدہ اوراق کی تلاش اشد ضروری ہے۔ 1500ء کے وسط میں سلطنت عثمانیہ پورے یورپ، افریقہ اور ایشیا میں سپر پاور تھی۔ مسلمانوں کی رواداری کا اس دور میں عالم یہ تھا کہ کیتھولک اسپین نے جب یہودیوں کو 1492ء میں جلا وطن کر دیا تو ترکی نے ہی اِن کو پناہ دی۔ 1857ء میں مسلمانوں کی ہندوستان سے حکومت کا خاتمہ ہوا۔ جنگ عظیم میں جنرل ایلن بی 1917ء میں یروشلم میں داخل ہوا اور 1924ء میں خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دیئے گئے جس کے نتیجے میں "بیت المقدس" بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ مسلم ریاستوں پر قبضے کے دوران عیسائی مبلغین کو مسلمانوں کے علاقوں میں انہیں مرتد بنانے کیلئے بھیجا گیا۔ اسلام کے خلاف فرقہ واریت اور تحریک استشراق کو ہوا دی گئی۔ مسلمانوں کی علمیت، تاریخ، اور تہذیب کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اپنے دین اور معاشرتی اقدار سے انہیں متنفر کیا گیا۔ جھوٹے نبی اور جعلی مہدی پیدا کئے گئے۔ فحاشی و عریانیت کو عام کیا گیا۔ اہلِ علم کا قتل عام کرتے ہوئے اسلام کو ریاست سے جُدا کیا گیا اور مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ اسلام کو ایک مکمل ضابطہ ٔحیات ماننے سے انکار کر دیں اور جدید مغربی تہذیب پر ایمان لے آئیں۔ اس فکری یلغار کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے ایک مضمون Islam Orientalism and the West میں پروفیسر ایڈورڈ لکھتا ہے کہ 1800ء سے 1950ء کے درمیان اسلام کے خلاف 60 ہزار کُتب لکھی گئیں۔

(Time Magazine,April 16,1979, Vol, 113 No. 16)

جنگِ عظیم دوم کے اختتام کے بعد مسلمانوں میں غلامی کا ایک نیا دور شروع کیا گیا۔

LordCormer کہتا ہے:

England was prepared to grant eventual political freedom to all of her colonial possessions as a generation of intellectuals and soon politicians. imbued through English education with the ideals of English culture, were ready to astake over, but under no circumstances would the British Government tolerate for a single moment an, independent Islamic state. (Lord Cromer, In Modern Egypt 1908)

(Jewish Conspiracy and the Muslims World, Edited by Misbahul Islam Farooqi, Feb 1967,Published by Misbahul Islam Farooqi, I.G 6/3 Nazimabad Karachi, Pakistan,Page:3)

"انگلینڈ اس پر راضی تھا کہ جیسے ہی دانشوروں اور سیاستدانوں کی ایک ایسی نسل جس پر انگریزی تعلیم کا انگریزی تہذیب کے ساتھ رنگ چڑھا ہوا ہو نظام سنبھالنے کیلئے تیار ہوں تو اپنی تمام نو آبادیاتی ملکیتوں کو سیاسی آزادی عطا کر دے۔ لیکن کسی بھی قسم کے حالات میں برطانوی حکومت ایک لمحہ کیلئے بھی ایک آزاد اسلامی ریاست قبول

نہیں کرے گی۔"

اس دور کے بعد مسلمانوں میں جمہوریت اور آمریت کے ساتھ بادشاہت کا ایک نیا تعارف کروایا گیا۔ آزادی کی ایک نئی تعریف کی گئی جس کا مقصد "نعوذ باللہ" اللہ کی بندگی سے آزادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تا حال امریکہ کا تحقیقاتی ادارہ Freedom House بشمول پاکستان سوائے ایک دو ممالک کے تمام اسلامی ممالک کو 'غیر آزاد' ملک قرار دیتا ہے۔

9/11 کے واقعے کے بعد سے اسلام اور دہشت گردی کو ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ جہاد اور دہشت گردی کو ہم معنی استعمال کرتے ہوئے سیاسی اسلام اور غیر سیاسی اسلام، صوفی اسلام اور تشدد پسندانہ اسلام، روشن خیالی، تنگ نظری، قدامت پسندی، شدت پسندی اور انتہا پسندی جیسی اصطلاحات غیر یقینیت پھیلانے، اسلام کو بدنام کرنے اور دنیا کو اسلام سے متنفر کرنے کیلئے استعمال کی جا رہی ہیں۔ جن اقوام نے جنگِ عظیم اوّل اور دوم میں کروڑوں انسانوں کو ہلاک کیا۔ معصوم انسانوں پر ایٹم بم برسائے وہ انسانی حقوق اور عورتوں کے حقوق کے نام پر مسلمانوں پر عرصہ حیات الگ کرنے لگے ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والے پروپیگنڈے کا مقصد دشمن کا مسلمانوں کے خلاف اپنی سرگرمیوں پر پردہ ڈالنا، ظلم کیلئے جواز پیدا کرتا اور مسلمانوں کی نئی نسل کیلئے خود کو آئیڈیل بنانا ہے تاکہ وہ حالاتِ حاضرہ سے غافل رہیں، دشمن کو دشمن نہ سمجھیں اور اپنی تہذیب و دین سے بیزار ہو جائیں۔ یہ پروپیگنڈا اس قدر مؤثر ہے کہ علماء بھی جب کسی دہشت گردی کے واقعے کی مذّمت کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ذہنی و نظریاتی تخریب کاری کے اس تباہ کن عمل نے نوجوان نسل کو تباہ کر دیا ہے اور باقی کسر فحاشی و عریانیت نے پوری کر دی ہے۔

ہم دہشت گردی کا ذکر بار بار سنتے ہیں لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ دنیا میں دہشت گردی کی کوئی تعریف متعین نہیں کیونکہ جب دہشت گردی کی تعریف کی جاتی ہے تو تعریف کرنے والا خود ہی اس تعریف کی روشنی میں دہشت گرد قرار پاتا ہے۔ امریکی محقّق رابرٹ اے پیپ نے دہشت گردی کی تین اقسام بیان کی ہیں:

1. Demonstrative Terrorism
2. Destructive Terrorism
3. Suicide Terrorism

DEMONSTRATIVE TERRORISM سے مراد دہشت گردی کی وہ قسم ہے جس کا مقصد تشدّد پھیلانا اور شہرت کا حصول ہوتا ہے تاکہ نئے لوگوں کو بھرتی کیا جائے نیز دنیا کی توجہ حاصل کی جائے۔ اس قسم میں لوگوں کو

مارنا نہیں بلکہ لوگوں کا زیادہ دیکھنا مقصود ہے ۔ جیسے کسی جہاز کو اغوا کرنا وغیرہ۔ DESTRUCTIVE TERRORISM میں دہشت گرد کوشش کرتے ہیں کہ مد مقابل کو زیادہ سے زیادہ جانی اور مالی نقصان پہنچایا جائے۔ جیسے امریکہ کا جاپان پر ایٹم بم گرانا۔ دہشت گردی کی تمام اقسام میں سب سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ Suicide Terrorism ہے۔

ان حملوں میں حملہ آور نہ صرف دشمن کو جانی و مالی نقصان پہنچاتا ہے بلکہ اس حملہ کے نتیجے میں اپنی جان بھی گنوا بیٹھتا ہے۔ جیسے یہودی رہنما سمسون کا تین ہزار لوگوں کو خودکش حملہ میں قتل کرنا۔ خودکش حملوں کے موضوع پر انگریزی، عربی اور اردو زبان میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے علماء اس کی حلت یا حرمت پر فتاویٰ بھی جاری کر چکے ہیں۔ حال ہی میں ایک مبسوط تاریخی فتوی "اس موضوع پر شائع کیا گیا کتاب کے سرورق میں دہشت گردی کو خوارج کے ساتھ جوڑ کر تاریخی اعتبار سے ایک سنگین غلطی کا ارتکاب کیا گیا کیونکہ یہ فتویٰ بین الاقوامی سطح پر دیا گیا تھا اس لئے اس سے عالمی سطح پر یہ تاثر جاتا ہے کہ پوری دنیا میں دہشت گردی کے اصل ، موجد، مرتکب، محرک اور ذمہ دار مسلمان ہیں جو اسلام کی غلط تعبیر و تشریح کی بنیاد پر تشدد پسندی کا راستہ اختیار کر کے دہشت گرد بن گئے ہیں اور پوری دنیا کا امن ان کی وجہ سے خطرے میں ہے۔ لہذا پوری دنیا کو چاہئے کہ ان کا قلع قمع کرے جس کا حکم قرآن و سنت میں بھی دیا گیا ہے۔ اسی فکر کو بنیاد بنا کر بجائے اس کے مسلم ریاستیں انسان دشمنوں کے خلاف اتحاد کریں وہ ایک دوسرے کے خلاف جنگوں میں باہمی تعاون پر معاہدے کر رہی ہیں۔ مرنے والے مسلمان ہیں۔ مارنے والے بھی مسلمان ہیں۔ میدان ِ جنگ بھی ہماری ہی زمین ہے۔ دشمن دونوں کو اسلحہ دے کر ہمیں فنا کر رہا ہے۔ خودکش حملوں سے متعلق شماریات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ اور برطانیہ میں 1982ء سے 2015 تک صرف 4 حملے ہوئے ہیں جبکہ سب سے زیادہ خودکش حملے عراق، افغانستان اور پاکستان میں ہوئے ہیں۔ پیشِ نظر کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ دہشت گردی کے فتنے کو اسلام کے ساتھ جوڑنے کی نفی کی جائے اور تاریخی تناظر میں اس کی وضاحت کی جائے کہ خودکش حملوں کے موجد یہودی ہیں اور دنیا کی تمام اقوام میں خودکش حملہ آور پائے جاتے ہیں۔ یقینی طور پر پاکستان میں ہونے والے تمام خودکش حملے ناجائز اور حرام ہیں جن میں معصوم لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے اور ملک کے امن و امان کی صورتحال کو خراب کیا جاتا ہے۔ اگر تحقیق کی جائے تو بقول جنرل شاہد عزیز، پاکستان میں ہونے والے ان تمام بم دھماکوں میں بین الاقوامی طاقتیں ملوث ہیں تا کہ پاکستانیوں کو اپنے ایجنڈے پر عمل کرنے کیلئے مجبور کیا جا سکے۔ اس کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ امریکہ کے افغانستان پر حملہ سے قبل پاکستان میں خودکش حملوں کے صرف ایک یا دو

واقعات ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو قائم دائم رکھے اور اُمت مسلمہ کی مدد فرمائے۔ آمین!

ڈاکٹر عمیر محمود صدیقی

۱۲ اگست ۲۰۱۶ء

یہ آرٹیکل "علامہ ڈاکٹر عمیر محمود صدیقی" نے اپنی کتاب "غیر مسلم خود کش حملہ آور۔ تاریخ و تجزیہ" میں مقدمہ کی صورت میں لکھا ہے۔

(ڈاکٹر عمیر محمود صدیقی، غیر مسلم خود کش حملہ آور، مطبوعہ: کتاب محل، لاہور، پاکستان، 2016ء، ص:13)

نبی کریم ﷺ کے پیغام کی عالمگیریت

از قلم: ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے مبعوث کئے گئے رسولان ِ گرامی کے خاتم بن کر تشریف لائے، اس طرح وہ سلسلہ ہدایت جو الہام ووحی کے یقین کے ساتھ تخلیق آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہوا اپنی معراج کو پہنچا۔ یہ اُس خالقِ رحیم وکریم کی بے پایاں رحمت کا اظہار تھا کہ انسان اول کو ہی نبوت کی سرافرازی عطا کر دی گئی اور مقصدِ تخلیق کے مطابق زندگی گزارنے کا سلیقہ واضح کر دیا گیا۔ قافلہ انسانیت نسل در نسل کے تسلسل سے پھیلتا چلا گیا اور خلیفہ ارضی اس سرزمین پر مہیا کی گئی برکات کو سمیٹنے لگا، تعداد اور صلاحیت فزوں ہوتی گئی تو ہدایت کے پیغام بھی وسعت پذیر ہوتے گئے انبیاء کرام اور رسولانِ عظام علیہم السلام ہدایت کے داخلی اور صبغۃ اللہ کے پیکر بن کر حیاتِ انسانی کو منور کرتے گئے، کوئی لمحہ اور کوئی خطہ ءزمین ایسا نہ رہا جہاں آداب شناسی کی تعلیم نہ پہنچی ہو، یہ ہمہ جہت راہبری مسلسل جاری رہی، جب بھی تلاش ِ رزق، حصولِ منفعت اور خواہش اقتدار نے نسل انسانی کو لرزیا وہاں میں پیام ِ ہدایت کا کوئی حامل تشریف لایا اس طرح ہر تخریب کو تعمیر کی راستی اور ہر کجی کو عمل کی سلامتی کا درس ملتا رہا۔ یہ سلسلہ رسد اگرچہ مسلسل جاری رہا مگر ہر پیغام بر کا ہدف اور مقصود زمان ومکان کی حدبندیوں میں محصور رہا یو کہہ سکتے ہیں کہ ان روشنیوں کا اپنا مدودار بعہ تھا اور ان سے نور پانے والوں کی اپنی محدودیت تھی یہ دراصل آفاقیت کے ابتدائی پڑاؤ تھے جہاں ایسی تربیت مہیا کی جارہی تھی جو انسانی فکر کو اس عالمگیریت کے لئے تیار کر سکے جو مقصدِ تحقیق بھی ہے اور حاصل زیست بھی۔

قرآن مجید جو ھدی للناس کے عظیم مقصود کے لئے مکمل ہمہ جہت اور لا فانی دعوت ہے، نے ماقبل رسولانِ گرامی کے تذکرے میں اس اساسی نقطہ کو ہمیشہ واضح کیا تا کہ کوئی قاری رسالت ونبوت کے تسلسل اور ختم نبوت کی کاملیت سے صرف نظر نہ کر سکے، انبیاء سابقین علیہم السلام کی تبلیغی مساعی کا ذکر قرآن مجید کا ایک وسیع تر موضوع ہے، اگر بنظر تعمق قصص انبیاء کرام علیہم السلام کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سابقہ پیغامات اور موجودہ پیغام کا امتیاز کیا ہے قرآن مجید نے منشورِ ہدایت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے پیغام کی وحدت کا ذکر کیا تو مخاطب اقوام کی حدبندی پر بھی واضح اشارات دیئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اپنے مشن کی عظمت اور پیغام کی وسعت کے حوالے سے ایک قوم کے بانی کہلائے آپ کو خطاب یہ تھا۔

اِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ (طہ:24)

ترجمہ فرعون کی طرف جایئے کہ وہ بڑا سرکش ہوا ہے۔

ہی مشن تھا جس کی تکمیل کا آپ نے خود بھی اعلان فرمادیا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (الاعراف :104)

ترجمہ: اور فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ یہ بنی اسرائیل ہی تھے جو دامنِ نبوت سے وابستگی کا شرف پا رہے تھے اس لئے سمندر سے پار اُترنا ان کا مقدر بنا تھا فرمایا گیا۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ (یونس 90)

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اُتار دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا تو بر ملا کہا گیا۔

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ. (ال عمران 49)

ترجمہ: اور آپ بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے۔

اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ ہوا کہ کبھی نسبت کسی قوم کی طرف کر دی گئی تو کبھی کسی علاقے، بستی یا شہر کی طرف، یہ نسبتیں واضح کر رہی ہیں کہ اِن فرستادگانِ الٰہی کا مقصود متعین تھا جو نسلی حد بندی میں محصور تھا یا علاقائی چوگردہ میں بند کیا گیا تھا۔

حدبندیوں کے ان اشارات کے بعد نبی آخر الزمان علیہ التحیہ والثناء کا ذکر پڑھے تو قرآن مجید کی ہر ایت اور ہر اشارہ الم نشرح کر رہا ہے کہ اب نبی ﷺ کی آفاقیت اور پیغام کی عالمگیرت اور سرمدیت کا ذکر ہے۔ چند حوالے شمار کیجئے۔ ارشاد ہوا۔

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف: 158)

ترجمہ فرمادیئے کہ اے سب انسانو میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

پھر فرمایا۔

وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا (النساء : 79)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔

ارشاد ہوا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (السباء:28)

ترجمہ: اور ہم نے تو آپ کو سب انسانوں کے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور فرمایا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء:107)

ترجمہ: اور ہم نے تو آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

ان آیات نے اس خصوصی منزلت کو واضح کر دیا کہ نبی اکرم ﷺ پوری انسانیت کے لئے رسول ہیں کبھی جمیعا کہہ کر سب کا احاطہ کیا تو کبھی کَآفَّة کہہ کر ہمہ گیریت کو بے غبار کیا تو کبھی عالمین فرما کر اور ال کا استغراق داخل کر کے تمام جہانوں بلکہ ہر ہر جہان کے ہر ہر ذرے اور ہر ہر جزو کو شامل فرمادیا اس سے نبوت ورسالت کی افادیت واضح ہو گئی۔

اب یہ سوال کہ یہ ہمہ گیریت منصب نبوت کا وصف ہے یا یہ پیغام کی عالمگیریت کے لئے دلیل ہے تو آیئے چند حوالے پیش نظر رکھتے ہیں، فرمایا گیا کہ قرآن مجید جو پیغام رسالت کا متن ہے

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ (ص: 87)

ترجمہ: یہ تو تمام جہانوں کے لئے ذکر ہے۔

سورہ القلم میں

وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (القلم: 53)

کہ یہ عالمین کے لئے نصیحت ہے

اسی طرح کا اعلان سورہ الانعام میں بھی ہوا۔ پھر اس ذکر کی ہمہ گیریت کے عملی پہلو کا یوں تذکرہ ہوا۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: 89)

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی جو ہر شئ کا کا بیان ہے۔

سورہ انحل میں نزول ذکر کا مقصود بیان ہوا۔

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ (النحل : 44)

کہ آپ لوگوں کے لئے اس کو بیان کردیں۔ یہ سوال کہ کیا اس پیغامِ ہدایت اور اس دینِ کامل کو ایک سلسلہ رُشد سمجھا جائے اور دیگر موجودِ ادیان کو بھی اس کا ہم سفر گردان لیا جائے تو اس کی وضاحت یوں فرمادی گئی۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الصف:9)

ترجمہ: وہ پروردگار جس نے اپنا رسول ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ رسول اس دین کو تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

پیغام کو صرف ایک اضافی یا معاون طریقہ زندگی نہیں بنتا ہے بلکہ اُس کو اپنی حقانیت اور ہمہ گیری کی وجہ سے سب پر غالب آتا ہے، یہ ارشادِ ربانی پیغام کی عالمگیرت کا حتمی اعلان ہے کہ اب کسی اور طریقِ حیات کی گنجائش نہیں رہی۔ یہ اعلان قیامت تک کے لئے ہے اس لئے دین اسلام کو ہر دور اور ہر منزل پر برتر رہنا ہے اور اپنی سرمدیت کا وجود ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ یہ پیغام ہر نسل اور ہر علاقے کی ضرورت ہے اس لئے اسے بہر طور اصل حالت میں بر قرار رہتا ہے، یہی ضرورتِ بقا اس کو پناہ ربانی عطا کرتی ہے۔

اور لفظاً اور معناً زندہ رہنے کی عظمت عطا کرتی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر :9)

ترجمہ: بیشک ہم ہی نے یہ ذکر نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے لئے حفاظت کرنے والے ہیں۔

پیغام کی بقا اس کی ابدیت کی دلیل ہے اور اس کا محفوظ رہنا اِس کی ہمہ گیر افادیت وضرورت کی حتمیت ہے اس لئے واضح کر دیا گیا کہ اس پیغام پر عمل کرنے والو کبھی اِس ذہنی کجردی کا شکار نہ ہو کہ اگر یہ باقی نہ رہے تو کیا ہو گا۔ یقین رکھو کہ اسے بہر حال اور ہر طور باقی رہنا ہے اور اصل حالت میں رہنا ہے کہ یہ صحیفہ وقت کی تنگ نائے کا اسیر نہیں ہے بلکہ ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما کا مصداق ہے اس لئے یہ بے مثل ہے کہ متوازی ہدایت یا ہمسری کا دعویٰ ہدایت کے لزوم سے ہی انکار نہیں ہوتا اس کی عظمت سے بھی انحراف ہوتا ہے اس لئے بار بار فرمایا گیا اس پیغامِ آخرین کی دائمی حیثیت پر شک ہے تو دس نہیں پانچ بلکہ ایک ہی سورت بنالاؤ کہ آخر عربی کا کلام ہے اس کے حروفِ ہجاء زبان کے باہر سے تو نہیں لئے گئے اس کے کلمات کی ساخت اور کلمات کی ترکیب میں بھی کوئی نیا اُصول وضع نہیں کیا گیا سوچو تو سہی سب کچھ تمہارے مروج انداز سے لیا گیا مگر پھر بھی مثل نہ لا سکو تو اعتراف کر لو کہ یہ پیغامِ الٰہی ہے دائمی ہے عالمگیر ہے اور بے مثل ہے۔

اس اعتراف پر رک کر سوچئے کہ آخر اس کتاب کو یہ امتیاز کیوں ملا، یہ تنزیل ہے تو پہلی کتابیں بھی نازل کی گئی ہیں اس میں ہدایت ہے تو ہدایت ونور کا اعلان تو پہلی کتابوں کے لئے بھی ہوا تھا یہ بھی سوچئے کہ مثل لانے کا چیلنج بھی تو اسی قرآن نے دیا ہے سابقہ الہامی کتب معتبر اور مقدّس تھیں مگر اعلان کی حد تک بھی کسی نے یہ انداز نہیں اپنایا، کیا یہ دلیل نہیں کہ اِن کا زمانہ اور عہد مقرر تھا اسی لئے ہر دور اور ہر عہد کو یہ دعوت نہیں دی گئی

، قرآنی پیغام چونکہ عالمگیر تھا اسی لئے اس کے متبادل، اس کے مماثل اور اس کے ہمسر کی ہر طرح تردید کی گئی اور یہ تردید صدیوں کے تعامل سے اپنا نقش چھا چکی ہے۔ خالقِ کائنات کا یہ اعلان کہ اس کتاب مقدس کا وہ خود محافظ ہے اس کی عالمگیریت کی ضمانت ہے کہ دائمی پیغام کی حفاظت نہ کی گئی تو دوام کا نقش دھندلا جائے گا۔ یہ دوام اس نبوت کی آفاقیت کا بھی اعلان ہے کہ ہر دور کے نبی کا ہدایت کا نوشتہ بحفاظت رہنا چاہیے۔

قرآن مجید کی ہدایت کا یہ رخ اُس عالمگیریت کا نشان ہے کہ اس ہدایت کے مشتملات تمام نوع بشر کی ہر کیفیت، ہر ضرورت اور ہر دور اور ہر عہد کے لئے کفایت کرتے ہیں۔ انسانی زندگی مادہ اور روح سے عبارت ہے۔ مادی زندگی کے اپنے تقاضے ہیں اور روح کے اپنے، ہدایت کا وہی نوشتہ پوری نسلِ انسانی کے لئے باعثِ شرف ہو گا جو دونوں تقاضوں کو مکمل اور مربوط راہنمائی مہیا کرے۔

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ انسان نے اپنی ہدایت اور فلاح کے کئی چارٹر تیار کئے اور عملی طور پر ان کو بروئے کار بھی لایا۔ کوئی تو وجود میں آتے ہیں اپنی افادیت کھو بیٹھے تو کوئی چند روز یا چند سال انسانی نظریات کو گرویدہ بناتے رہے مگر جلد ہی ان کی بے ثباتی نمایاں ہونے لگی۔ ذہنی انتشار عملی خلفشار انسان کو بے توفیق بنا تار ہا مگر نبی اکرم مانام کا پیغام ہدایت عرب کے بدوی ماحول میں بھی انسان سازی کا اُجلا پیمانہ بنا اور دنیا کے مہذب و متمدن علاقوں میں بھی جسم و روح کی روئیدگی کا ذریعہ رہا۔ صدیاں گزرتی گئیں پیغام نبوی نو بہ نورتوں اور تازہ بہ تازہ شادابیوں کے ساتھ نسل انسانی کا راہنما رہا اس پیغام نے انسان کی فکری راہنمائی کی۔ غور و فکر کو تازگی، عقل و شعور کو تجسس اور فہم و فراست کو توانائی مہیا کی تو جسم کو شادابی، حواس کو شائستگی اور رویوں کو متانت عطا کی عصبیت و تعصب کے عفریت سے رہائی دلا کر وقارِ انسانی بحال کیا، آقا و غلام کا امتیاز ہٹا کر احسن تقویم کی نمود کی، معاشرتی بے اعتدالیوں کو کللکم من آدم و آدم من تراب کی اساس عطا کر کے شرف آدمیتِ کا بول بالا کیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ نسلی امتیازات نے کسی کو فرعون بنا دیا تو کوئی بے بسی کی تصویر بن کر باجگزار ٹھہرا برہمن اور شودر کا قصہ تو ہمارے قریب ہے یہ معاشرتی دراڑ اس قدر وسیع ہو گئی تھی کہ شودر انسان ہوتے ہوئے بھی ناپاک قرار پایا اس قدر ملیچھ کہ ہاتھ تو کجا، وید کا سننا بھی اس کے لئے جرم، بے خبری میں بلا ارادہ وید کا کلمہ شودر کی شنوائی کی حد میں آ گیا تو رگِ او تار بھڑک گئی۔ سیسہ پگھلا کر کانوں میں ڈال دیا گیا، کسی قدر تنگ نظری تھی کہ سماعتوں کی معصومیت بھی جرم تھی۔ مگر نبی کریم ﷺ کا پیغام گلی گلی محلہ محلہ سنایا جا رہا ہے سنے پر پابندی نہ وصول

کرنے پر، جو پائے پڑھے اور جو چاہتے چھاپ لے۔ پیغام ہر انسان کے ضمیر پر دستک دینے لگا اور صدیوں سے دے رہا ہے کیا یہ رویہ عالمگیریت کے حامل پیغام کے سوا کوئی اپنا سکتا ہے؟

پیغام کی تعلیمات کا حرف حرف دعوتِ فکر دے رہا ہے، اعمال کے احکام جاری تو ہوئے مگر ہر انسان کی بساط کو پیشِ نظر رکھا گیا تاکہ انسانی زندگی کا کوئی لمحہ بھی پیغام کے رابطے سے باہر نہ رہ جائے۔ صرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم ہوتا تو کھڑے ہونے کی استطاعت نہ پانے والا محروم رہ جاتا مگر ایسا نہیں ہوا ہر حالت اور ہر کیفیت حتیٰ کہ موسمی حالات اور جغرافیائی عوامل کو ملحوظ رکھا گیا، پیغام کی تبلیغ اس کے عمومی رُخ کو واضح کرتی ہے تو جبر داکراہ کی ممانعت انسانی اختیار کے احترام کا ثبوت مہیا کرتی ہے۔ مختصر یہ کہ نبی اکرم ﷺ کے پیغام کی دعوت تمام نوعِ انسانی کے لئے ہے اس میں کسی کا استثنا نہیں اور یہ دعوت لحاتی یا وقتی نہیں ہر دور کے لئے ہے سو چیئے اگر یہ پیغام دائمی ہے عالمگیر ہے اور نو بنو ہے تو پھر آج کے مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہے؟ کیا تعلیمات کی اشاعت ان پر فرض نہیں؟ کیا احکام باطلہ کی عقلی دلائل سے اصلاح اُمت پر واجب نہیں؟ کیا تعلیمات کو کردار وسیرت کی استواری درکار نہیں؟ آج مسلمان اُمت پر تنگ نظری تو ہم پرستی اور عدم برداشت کے الزام کس روش کی نشاندہی کر رہے ہیں؟ کیا نظریات میں اس طرح انقلاب آیا کرتا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو اپنے دور کی سب سے بڑی اور مستحکم حکومت اس پر کاربند ہوتی؟ اسلام ایسی اطاعت کو قبول نہیں کرتا جس میں قلبی انقیاد شامل نہ ہو، اسی لئے تو گردنیں جھکانے سے زیادہ اعتبار دلوں کی تسخیر کا رہا۔ آیئے کردار کی قوت سیرت کی روشنی، اخلاق کے حسن اور اعمال کی صالحیت سے نبی اکرم ﷺ کے پیغام کی عالمگیریت کے لئے مخلصانہ کوشش کریں تاکہ گردشِ زمانہ ایک بار پھر قرونِ اُولیٰ کے دور ہمایوں سے تسخیر ہو سکے آمین۔

(ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، نفحاتِ سیرت ﷺ، مطبوعہ: البغداد پرنٹر، فیصل آباد، پاکستان، 2013، ص:67)

ابلاغ کیا ہے

از قلم: سرپرست اعلیٰ

انسان کی زندگی میں کچھ ایسے راستوں کی ضرورت ہمیشہ باقی رہتی ہے جن سے معلومات حاصل کر کے انسان اپنی زندگی کو بہت سے خطرات سے محفوظ کر سکتا ہے، ان راستوں کو منتخب کر کے اپنی زندگی کو مؤثر بنا سکتا ہے۔ وہ راستہ "ابلاغ" کا راستہ ہے یعنی ایک اچھی بات دوسرے انسان تک پہنچانا یا کسی بُرے (خراب) راستے کی خبر دینا تا کہ دوسرا اس راستے سے بچ سکے اور اچھی باتوں سے فائدہ اُٹھا کر ہر بُرے راستے سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں معلومات حاصل کرنے کا اہم ذریعہ "ابلاغ" رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلاغ کے بغیر انسانی زندگی نامکمل ہے۔ شروع کے دور میں ذرائع ابلاغ محدود تھیں، انسان خط و خطابت اور کتابت ہی ذریعہ اپنی بات کو ایک جگہ سے دوسی جگہ تک پہنچا سکتا تھا لیکن آج ابلاغ کی بہت ساری صورتیں ہیں "پرنٹ میڈیا، الیکٹرونک میڈیا، MESSAGE، خط وخطابت، کتاب و رسائل وغیرہ۔ہم سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ابلاغ کے معنی کیا ہیں۔

ابلاغ کے معنی و مفہوم:

صاحب منجد لکھتے ہیں کہ: "ابلاغ" کا معنی ہے، ترسیل، پہنچانا، بھیجنا اور نشر کرنا

(الیسوعی، لویس معلوف، مترجم عصمت ابو سلیم، لاہور، مکتبہ دانیال، ص76)

یہاں پر ایک اور لفظ جو بات کہنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ "تحدیث" ہے۔

"تحدیث" کے معنی۔ بات کہنا۔ خبر دینا۔

(فروز اللغات اردو، ص:373، مطبوعہ: فیروز سنز، لاہور، 2005)

دوسروں تک بات پہنچانے کا نام "ابلاغ" ہے بظاہر یہ ایک معمولی اور مختصر عمل ہے لیکن اس کے اثرات بہت زیادہ ہیں، کتاب کی صورت میں کوئی اچھی بات دنیا کی کئی قوموں تک پہنچ سکتی ہے، کئی زمانے کے لوگ اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ آج اس عمل کو سائنس کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے یعنی کسی چیز پر تحقیق (غور و فکر) کر کے اُس سے حاصل کردہ معلومات کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ ابلاغ ایک ایسا عمل ہے

کہ جس کے ذریعہ اچھی بات ،فائدے مندبات کو ایک دوسرے تک پہنچاکر محفوظ کیاجاسکتا ہے جو کتابوں اور رسائل کے ذریعہ ہوتا رہاہے اور ہورہاہے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی بات لکھ لی جائے تو پھر وہ بات صرف اُس شخص یااُس دور کے لیے ہی نہیں بلکہ آنے والے بہت سے ادوار کے لئے فائدمند ثابت ہوسکتی ہے۔

آج دنیا اس بات کو جان چکی ہے کہ ابلاغ کے بغیر قومیں ترقی کی منازل طے نہیں کرسکتیں اور نہ ہی معاشروں میں انقلابی تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔ آج سائنس کو بھی "ابلاغ عام" کانام دیا جاتا ہے۔ جس کے ذریعے ہم تعلیم کو فروغ دے رہے ہیں جو شعور کی ترقی کا سبب بن رہی ہے، ایک دوسرے کو معلومات پہنچارہے ہیں اور زندگی کو آسان بنارہے ہیں ،موجودہ دور کے مصروف انسان کو گھر بیٹھے اصلاحی راستوں سے آگاہی فراہم کرسکتے ہیں۔ اگر ابلاغ نہ ہوتو ہر فرد معاشرے سے کٹ کررہ جائے اور ان کے درمیان فکری اور عملی ہم آہنگی کی خواہش محض خواب بن کر رہ جائے۔

ذریعہ ابلاغ:

ابلاغ عامہ دوقسم کے ہوتے ہیں:

(1)الیکٹرانک ذرائع ابلاغ، جس میں ریڈیو اور ٹیلی وژن، موبائل اور نیٹ وغیرہ شامل ہیں۔

(2)طباعتی ذرائع، جس میں اخبارات، کتابیں، رسائل اور دیگر طباعتی ذرائع شامل ہیں۔

1. ہمارے حواس خمسہ بھی ذرائع ابلاغ میں شامل ہیں۔اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے ہم دیکھ کر مطالعہ یا مشاہدہ کرتے ہیں، سُن کر معلومات حاصل کرتے ہیں ، "دیکھنا، سننا، چکھنا، چھونا اور سونگھنا" یہ تمام قوتیں ابلاغ کے مختلف ذرائع ہیں۔(الاحزاب 70:33)

کسی بھی معاشرے میں ذرائع ابلاغ کا کردار اس معاشرے کی تعمیر وترقی کے لئے بہت اہم ہوتا ہے خواہ وہ معاشی ہو، سماجی ہو یا ثقافتی ہو ۔تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتاہے کہ انسانوں اور معاشروں کی اصلاح کے لئے دو طریقے استعمال کئے گئے: ایک تبلیغ اور دوسرا تعزیر، یعنی وعظ اور نصیحت کے ذریعے اصلاحِ احوال کی کوشش کی گئی یا پھر سختی سے کام لیا گیا ۔ انسانوں کے طرزِ عمل کے سلسلے میں قوانین اور ضابطے وضع کئے گئے اور ان کی خلاف ورزی کی سزا مقرر کی گئی۔انسان اشرف المخلوقات ہے ۔اللہ تعالیٰ

نے اسے سوچنے، سمجھے کی طاقت دی ہے۔نیکی وبدی اور غلط و صحیح میں تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے،اس لئے اگر اسے صحیح انداز میں سمجھا اور اس سے (اخلاص کے ساتھ) کام کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ انسان کو بہتر سے بہتری کی طرف لے جاسکتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اس کی بہترین سے بہترین مجالیں قائم کیں ہیں اور بگڑے ہوئے انسانی معاشروں کی اصلاح کے لئے تبلیغ کا راستہ اختیار کیا اور ان کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی۔

دین اسلام نے جہاں ہر شعبہ زندگی کے اُصول واضع کئے ہیں،وہاں ابلاغ عامہ کے لئے بھی اخلاقی ضابطے متعین کئے ہیں۔ابلاغ اخلاق سے ہی نشو نماء پاتا ہے اور اخلاص سے تقویت پکڑتا ہے۔ذرائع ابلاغ بھی احکام و حدود کے پابند ہیں جن کا مقصد خیر کا فروغ اور برائی کا انسداد ہے۔ اسلام ہمیں حکم دیتا ہے کہ کھری اور سیدھی بات کی جائے،انسان کیلئے ضروری ہے کہ بات ہمیشہ سیدھی (صحیح)اور کھلی(واضع یعنی جس میں کوئی دھوکہ نہ ہو) کرے نہ کہ گھما پھرا کر،اسی لئے حکم دیا گیا ہے کہ:

وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۔(البقرہ263:2)" اور بات کیا کرو سیدھی بات"۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى۔(الانعام152:6)

ترجمہ: بھلی بات کہہ دینا اور درگزر کرنا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد کوئی تکلیف پہنچائی جائے۔

اسلامی نظریہ ابلاغ میں صدق اور عدل ابلاغ کے نمایاں ترین اصول ہیں۔ قرآن پاک میں سچائی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو متقین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔(البقرہ283:2)

ترجمہ:اور جب کوئی بات کہو تو انصاف کرو۔ اگرچہ کوئی قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔

ابلاغی معاملات خواہ عدالت کے ہوں یا معاشرتی برائیوں کے خلاف آواز اُٹھانے کی بات،جہاں تک ممکن ہو حق بات کی جائے اور سچائی کو چھپایا نہ جائے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۔(البقرہ42:2)

ترجمہ: اور گواہی کو چھپایا نہ کرو اور جو کوئی گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہو گا۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔(الحجرات 6:49)

ترجمہ: اور نہ گڈ مڈ کرو حق کیساتھ باطل کو اور نہ چھپاؤ حق کو اگر تم جانتے ہو۔

ابلاغ کا کام خبر پہنچانا ہے اور یہ ایک اہم اسلامی اصول ہے کہ بلا تحقیق بات کو بیان نہ کیا جائے اور نہ ہی اُسے بڑھاوا دیا جائے، ارشادِ ربانی ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ۔(النور 15:24)

ترجمہ: اے اہلِ ایمان! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی بڑی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم جا پڑو کسی قوم پر نادانی میں اور پھر تمہیں اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ۔(الخطیب العمری، ولی الدین محمد بن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، کتاب الادب، باب السلام، الفصل الاول، حدیث 957)

ترجمہ: جب تم لے رہے تھے اسے اپنی زبانوں سے اور تم اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں تھا اور تم اسے معمولی سمجھ رہے تھے، جبکہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی۔

اس بارے میں حدیث مبارکہ ہے کہ:

إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث، ولا تجسسوا، ولا تناجشوا، ولا تحاسدوا،ولا تباغضوا.

ترجمہ: بدگمانی سے بچتے رہو، بدگمانی اکثر تحقیق کے بعد جھوٹی بات ثابت ہوتی ہے اور کسی کے عیوب ڈھونڈنے کے پیچھے نہ پڑو، کسی کا عیب خواہ مخواہ مت ٹٹولو اور کسی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ بڑھاؤ اور حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو۔

ذرائع ابلاغ معاشرے کی اصلاح میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ کو انہی مقاصد کے تحت استعمال کیا جائے جو اخلاص، اخلاق اور صداقت پر مبنی ہو، تاکہ افراد اور معاشرے کی اصلاحی نشو و نما ہو سکے۔ فرد ہو یا معاشرہ اس کی اصلاح کا مطلب اس کے فکر اور طرزِ عمل میں تبدیلی ہے اور تبدیلی لانے کیلئے اولین ضرورت صحیح و غلط میں تمیز کرنا ہے۔ یہ تمیز مؤثر ذرائع ابلاغ کے ذریعے کی جا سکتی ہے (یعنی صحیح بات کو آگے بڑھانا، کوئی بھی معلومات ہو اُسے بغیر تحقیق کے آگے بڑھانے سے گریز کرنا ہے)۔ تاکہ ہم انسان کے مستقبل کو خراب ہونے سے بچانے میں اہم کردار ادا کر سکیں۔ اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے کا بہترین طریقہ کتابت ہے جس سے آپ صرف اپنی بات کو اس زمانے کے لئے ہی نہیں بلکہ آنے والے تمام زمانوں کے لئے محفوظ رکھ سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ رب آپ کی کسی اصلاحی بات کو قوموں کی کامیابی کا ذریعہ بنا دے اور آپ کے لئے اس کو ثواب جاریہ بنا دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر کام کے لئے مخلصی والی سوچ اور اخلاص والا عمل عطا فرمائے۔ آمین

اسلام

از قلم: بنت اشرف المشائخ سیدہ نازنین فاطمہ اشرف جیلانی

کیا تم نے پوری طرح سے سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے ؟ یہ ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے۔ یہ علم کا ایک ایسا منبع ہے جس سے عقل و دانش کی متعدد ندیاں پھوٹتی ہیں۔ یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے رہیں ہیں۔ یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو ہمارے لئے واضح اور عمل کرنے کے لئے آسان کرتا ہے۔ یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو صداقت اور حقیقت کے ہر متلاشی کو اطمنان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی اعلیٰ ترین خوشنودی کی جانت ایک شاندار راستہ اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اُس نے اِسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، ناقابلِ تردید تفوق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔

اب یہ ہمارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اُس کو قائم رکھیں، اس کے پیغام کو خلوصِ دل سے تسلیم کریں، اس کے معتقدات سے انصاف کریں، اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کریں، پھر دیکھیں ہماری زندگیاں کتنی موثر ہوتی ہیں آج انسان یہ جان چکا ہے کہ ہماری زندگیاں اس دین کی محتاج ہیں۔ اس کی تعلیمات کی محتاج ہیں۔

مساجد، مدارس اور خانقاہوں کا کردار

از قلم: ڈاکٹر سید شہریار اشرف جیلانی

مدارس، مساجد اور خانقاہوں کی اہمیت ہر مسلم معاشرے میں رہی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے برصغیر میں انگریزوں کے غلبہ کے بعد اور مسلمانوں کے ہاتھ سے اقتدار چھن جانے کے بعد مختلف مقامات (رہائشی گھروں) پر مدارس اور خانقاہوں کا وجود ممکن بنایا (یعنی اپنے گھر والوں آس پاس کے لوگوں کے ساتھ ملکر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور ذکرِ الٰہی کو عام کرنے کی کوششیں کیں)، مساجد پر کئی پابندیاں ہونے کے باوجود مسلمانوں کا رشتہ اسلام سے قائم رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کیں گئی اور ایمان کی تقویت کے مختلف مواقع پیدا کیے جس سے مسلمان اپنے ایمان کی آبیاری اور عقائد کی اصلاح کرتے رہے۔ اِن ڈیڑھ دوسو سال کے عرصے میں ان لوگوں نے مدارس، مساجد اور خانقاہوں کے ذریعے جو خدمات پیش کیں ہیں اُن کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، انہیں مساجد اور مدارس نے مسلمانوں کا رشتہ اسلام سے جوڑے رکھا، انہیں مساجد اور مدارس نے ان کو ہر قسم کے فتنوں سے بچائے رکھا، انہیں مساجد اور مدارس نے شریعت اسلام کی اہمیت کو ان کے ذہنوں میں قائم رکھا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ خانقاہوں کے ذریعے آج بھی مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کا جو سلسلہ رسول اللہ ﷺ نے شروع کیا تھا وہ اُسی طرح جاری رکھے ہوئے ہے۔

آج میڈیا کے کہنے پر خانقاہوں کو تنقید کا نشانہ بنانا غیر اخلاقی عمل ہے، ہر دور میں اچھائی کے ساتھ کہیں نہ کہیں سے برائی بھی شامل ہو جاتی ہے لیکن اس کی وجہ سے تمام خانقاہی نظام کو غلط کہہ دینا صحیح نہیں ہے۔ اگر آپ کسی بھی جگہ پر کوئی ایسا غیر شرعی کام ہوتا ہوا دیکھیں تو آپ کو چاہیے آپ کسی مستند عالم دین سے مشورہ کرلیں کہ میرے ناقص علم کے مطابق یہ عمل جائز نہیں اس پر شریعت ِ دین کیا کہتی ہے اور اگر وہ عالم یہ کہتا ہے کہ ہاں یہ عمل جائز نہیں ہے تو پھر اُس عالم (رہنماء) کو چاہیے کہ جو بندہ یہ مسئلہ لے کر آیا تھا اُس سے یہ وعدہ لے کے کچھ بھی ہو جائے، وہ اس مسئلے کس عوام میں نہیں آنے دے گا۔ پھر اپنی تحقیقی مضمون کی صورت میں اُس عمل کے خلاف دلائل خط و خطابت کے ذریعے اس ناجائز عمل کرنے والوں کے ذمہ داروں جو بھی ہیں، اُن کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کرے اور اگر اُن کو سمجھ میں نہیں آرہا تو اُس وقت کے بڑے علماء مل کر خاموشی سے اُن کی اصلاح کرنے کی بھرپور کوشش کریں اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ عوام کو بھی اس میں شامل کرلیا جائے۔ یاد رکھیں جو ادھورے مسئلہ عوام میں آتے ہیں تو تاریخ گواہ ہے کہ اُن سے اُمت میں فساد کے سوا اور کچھ پیدا نہیں

ہوا، امت انتشار کا شکار ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک اور فرقہ سامنے آگیا۔ آج اگر ہم ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور کرتے ہوئے اصلاح کے پہلوؤں کو اہمیت دینے کی کوشش کریں تو اُمت میں بہت سے پیدا ہونے والے مسائل پر پہلے سے قابوں پایا جاسکتا ہے، ہر قوم میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں چھوٹی سی بات کو فسق و فجور کا لباس پہنا کر پیش کرتے ہیں اور کسی کی بھی ذات کو تذلیل کا نشانہ بنانے میں مذاح حاصل کرتے ہیں۔ اس سے پہلے ہی امت میں بہت سے اختلافات موجود ہیں، جس کی وجہ سے اُمت ویسے ہی تذبذب کا شکار ہے۔

آج بھی خانقاہوں کا اہم مقصد اُمت محمدیہ ﷺ "میں احکامات دین اور شریعت اسلام پر عمل کرنے میں جو رُوکاوٹیں اور کمزوریاں آگئی ہیں اُن کو دور کرنا اور ذکرِ الٰہی اور ذکرِ مصطفٰی ﷺ کے ذریعہ ایمان کی آبیاری کرنا ہے اور اگر یہ تربیت کسی خانقاہی نظام میں نظر نہیں آتی تو پھر اُس جگہ کو خانقاہ نہیں کہا صحیح نہیں ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھیں کہ کسی جگہ پر ہونے والی کسی برائی کی وجہ سے تمام خانقاہی نظام غیر شرعی قرار دینا کوئی اصلاحی پہلو نہیں ہو سکتا لیکن ایسا ممکن ہے کہ یہ "اُمتِ محمدیہ ﷺ "میں فسق و فجور کی ایک اہم راہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر ممکن اصلاحی پہلو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرماں۔ آمین

اصلاح کا تصور

از قلم: ڈاکٹر سید اظہار اشرف جیلانی

اصلاح کی فکر، اصلاح پسندی انسان کے لئے اخلاصِ عمل کے راستوں کو آسان کرتا ہے، یہ کسی بھی انسان کی تعمیرِ شخصیت کے لیے بہت سے مواقع فراہم کرتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ اصلاحی معاشرہ راحت وسکون کا گہوارہ ہوتا ہے، ہر ایک کے لئے کامیابی کا سبب ہوتا ہے۔ اس کو ہر انسانی معاشرہ پسند کرتا ہے۔ قرآن مجید جو انسانیت کے لئے ہدایت کی آخری کتاب ہے اس کتاب میں بھی اصلاح کی دعوت دی گئی ہے۔

قرآنی تعلیمات میں معاشرہ کے لئے اصلاحی تصور

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (آل عمران، 104:3)

"اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ اصلاحِ معاشرہ کے لئے قرآنی تصور کی بنیاد" امر بالمعروف و نہی عن المنکر "ہے۔ یعنی ہر انسان اچھا ہو کر دوسروں کو اچھائی کی طرف دعوت دے، اچھا عمل کرے، اچھی بات کرے، اچھے طریقے (یعنی اچھے انداز) سے پیش آئے اور اچھائی کی دعوت دے تاکہ اچھائی عام ہو سکے اور جب اچھائی عام ہو جائے گی، تو برائی خود بخود کم ہو جائے گی۔ یہ معاشرہ کی اصلاح کا وہ عظیم طریقہ ہے جس کی رب تعالیٰ نے تمام انسانیت کو تعلیم فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے خود اس پر عمل کرکے دیکھایا ہے۔ اب مسلمانوں کے لئے اس پر عمل کرنا بہت آسان ہے۔ کچھ لوگ اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں لیکن اکثر اس کی اہمیت سے غافل ہیں انہیں خود اس کا اندازا نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور انہیں کیا کرنا چاہیے یا پھر اُن کو برائی سے مزے لینے کی عادت پڑھ چکی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ انسان کا اصل حاصل ہے حالانکہ انسان کا اصل حاصل رضائے الٰہی ہے اور وہ صرف انسان کی اچھی سوچ اور اچھے رویے سے ہی ممکن ہے یہ بھی اصلاح معاشرہ کا ایک پہلو ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس راہ پر چلنے کے لئے بڑے آسان راستوں کی نشادہی کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اندازِ تعلیم سے ایک ایسے

معاشرے میں انقلاب پیدا کیا تھا جس کی ہدایت کا تصور کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ انسان گمراہی میں ایسے گھرے ہوئے تھے کہ کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں تھی، رسول اللہ ﷺ نے اخلاص و اخلاق کے ایسے جوہر پیش کیے کہ سخت دلوں اور تنگ نظروں کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ بھی اچھائی کو دل سے تسلیم کریں۔ اگر ہم اصلاح کے کمالات کو جاننا چاہتے ہیں تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا ہو گا اخلاص و اخلاق سے اپنی شخصیت کی تعمیر کرنی ہو گی۔

تاریخ کے ہر اوراق نے اُس عظیم معاشرے کی مثالیں دیں ہیں۔ آج ہم سب یہ جانتے ہیں لیکن نہیں معلوم کہ اس کو اپنانے میں کمزور کیوں ہیں؟ کیوں ہماری تمام توجہ کا مرکز وہ ذات نہیں ہے؟؟؟؟۔

قارئینِ محتشم! وہ لوگ جو اصلاح کو پسند نہیں کرتے، وہ معاشرے کے قول و فعل میں تضاد اور اصلاحی عمل میں سب سے بڑی رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں۔ زندگی اصلاحِ عمل کے مطابق ہونا قرآنی کا تقاضا ہے۔ قرآن عظیم نے اصلاحِ معاشرہ کے سنہرے اُصول یوں ارشاد فرمائے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ،

(النحل،125:16)

”(اے رسولِ معظّم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بات (بھی) ایسے انداز سے کیجیے جو نہایت حسین ہو۔“

تاریخِ انسانی میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ ﷺ تمام بنی آدم کے لیے خصوصی رحمت اور شفقت کی عدیم المثل نظیر ہیں۔ قربان جائوں خالقِ کائنات کی ربوبیت پر کہ اپنے محبوب سے قرآن میں ارشاد فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ(.آل عمران، 159:3)

”(اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تُند خُو (اور) سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔“

تبلیغِ دین کے لئے اصلاحی میزاج ہونا بہت ضروری ہے، متشدد بندہ اخلاقی حدو کا خیال رکھے بغیر لوگوں کو اپنے سے دور کر دیتا ہے۔

کامیابی کا راز

از قلم: علامہ ابو سلطان سید محمد اظہار اشرف جیلانی

انسان کی پیدائش سے موت تک کا درمیانی حصہ کسی کی سیکھی ہوئی اچھی اور فائدے مند چیز کا احترام کرنے (یعنی کسی کی بھی اچھی بات یا عمل پر اُس کی تعریف کرنا اور اُس کو اپنی زندگی میں شامل کرنے) سے روشن ہوتا ہے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اُس کا مستقبل خوب روشن ہو۔ تو پھر ہمیں اچھی صلاحیتوں کی اہمیت کو اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ اچھی صلاحیتوں کی وضاحت انسان کو اچھائی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یہ راستہ وہ راستہ ہے جس سے انسان بہت سی اچھی چیزیں بآسانی سیکھ لیتا ہے اور اُس پر بآسانی عمل بھی کر سکتا ہے۔ دنیا میں کامیاب لوگ کسی نہ کسی انداز سے اس عمل کو ضرور اختیار کرتے ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ دوسروں کی خوبیوں پر تعریف کرنا اپنے اندر اُس خوبی کو پیدا کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ اسی لئے وہ اس کو اہمیت دیتے ہیں اور اچھائی سیکھنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ اس عمل کی راہ میں عموماً تعصب و حسد، حرص و ہوس جیسی بڑی رکاوٹوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس کام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اچھائی پھیلتی ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ شخص جس کی تعریف کی جا رہی ہوتی ہے وہ فطری طور پر ایک خوشی محسوس کرتا ہے اور اُس پر کام کرنے کی اور زیادہ کوشش کرتا ہے۔

اس کا قطعاً خوف نہ کیجئے کہ دوسروں کی تعریف کا نتیجہ غرور و تکبر ہوگا آپ اخلاص ِ نیت سے یہ کام کریں اللہ تعالیٰ آپ کے اخلاصِ نیت کی برکتوں سے دوسروں کو غرور و تکبر سے محفوظ رکھے گا۔

مثال کے طور پر میرے ماموں "حکیم سید اشرف جیلانی مدظلہ العالیٰ" کی یہ عادت ہے کہ آپ کسی میں بھی اچھی بات دیکھتے ہیں یا پھر کسی کا بھی تعلق اچھی بات سے دیکھتے ہیں تو اُس پر اُس کی حوصلہ افضائی ضرور کرتے ہیں۔ چاہے کوئی کچھ بھی سوچے۔ یہاں میں اپنا ایک واقعہ ذکر کرنا چاہوں گا کہ جب میں "جامعۃ العلیمیۃ الاسلامیۃ" میں زیر تعلیم تھا تو میرے نانا "اشرف المشائخ ابو محمد شاہ سید احمد اشرف جیلانی رحمۃ اللہ علیہ" پر ہولینڈ سے کسی نے آرٹیکل لکھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس آرٹیکل کو اسلامک سینٹر کے ماہنامہ منارٹ

میں شایع ہو جائے۔میں وہ آرٹیکل لیکر منارٹ کے اوفس پہنچا جو ہمارے ادارے "جامعۃ العلیمیۃ الاسلامیہ " کے ساتھ ہی واقع تھا۔وہاں جناب آصف اشرفی سے ملاقات ہوئی ۔انہوں نے اُس آرٹیکل کو چیک کیا اور اُس کو ماہنامہ منارٹ میں میرے نام سے شائع کر دیا۔میں نے آکر سیدماموں کو بتایا تو انہوں نے سب کے سامنے میں یہ ذکر فرمایا کہ اظہار نے منارٹ میں یہ آرٹیکل لکھا ہے اور سب کو دیکھایا بھی۔اُس دن کے بعد سے مجھے جستجو ہوئی کہ میں بھی لکھنا شروع کروں گا اور آج میں آپ کے سامنے ہوں۔

اللہ رب العزت میرے "سیدماموں"کو اس اخلاصِ نیت پر اپنی خاص رضا عنایت فرمائے اور ہم سب کو اس عمل کی اہمیت کو جاننے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

ایک اصلاحی کہانی

از قلم: علامہ سید محمد خالد محمود شامی

تعارف مصنف:

علامہ سید محمد خالد محمود شامی مدظلہ العالی بہترین عالم دین، محقق ومترجم ہیں، آپ نے ملک شام کے جید علماء کرام کی تربیت سے علم دین حاصل کیا اور اپنی انتھک محنت سے عربی زبان میں مہارت حاصل کی، آج آپ سیرت ریسرچ سینٹر میں ریسرچ اسکالر کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں،اس کے علاوہ آپ معاشرہ کے لئے اپنی تحریروں سے اصلاحی نکات پیش کرتے رہتے ہیں، اللہ رب العزت کا کرم ہے کہ اُس نے آج بھی ایسے محافظ رکھے ہیں جو اپنی صلاحیتوں کے ذریعہ مختلف انداز سے معاشرے میں اصلاح کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

سوتن

اری تو پگلاگئی ہے کیا؟بڑاشوق چڑھاہے میاں كي شادی کا!اتنی پڑھی لکھی ہوکربھی یہ حال !کیاہواہے!بتا!آخرہواکیاہے؟پریشان کرتاہے کیا؟ مارتاہے؟خرچہ نہیں دیتا؟کسی اور کے چکرمیں ہے؟اب تواچھی نہیں لگتی؟نشہ کرنے لگاہے؟

نہیں نہیں!امی ایساکچھ بھی نہیں ہے۔

اری توپھردوسری کیوں کررہاہے؟اورتو!مجھے تولگتاہے تعویذکردیا بلکہ! بلکہ! جادوکروادیاہے تجھ پر!تجھے معلوم ہے دوسری کامطلب؟دوسری کامطلب دوسری بیوی!تیری سوتن!سوتن!سوتن!!!!!!

ثانیہ كي امی كي سانس پھول گئی تھی جیسے اچانک سانپ دیکھ لیاہواور حیرت وجذبات میں ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئیں۔ویسے بھی وہ بلڈ پریشر شوگراوردل كي مریضہ تھیں، یہ خبر تو ان پرایٹم بم بن کرگری تھی۔اسی لیےانہوں نے ساری بیٹیوں ، داماد، جیٹھ، دیور، دونوں بیٹے اوربھائی سب کوبلاکرگھرمیں ہنگامی اجلاس منعقد کیاتھا، تبھی توپورے گھرمیں گہما گہمی تھی، بچوں کے شوروغل نے عجب ہنگامہ برپاکیاہواتھا، جتنے بڑے تھے سب پریشان دکھائی دے رہے تھے، امی کے کمرے سے سب كي باتیں کرنے كي آوازیں آرہی تھیں سب مل کرکوشش کررہے تھے کہ ثانیہ آنی سے اصل بات معلوم کرسکیں مگروہ نہیں نہیں کے سواکچھ بھی نہ کہہ پارہی تھیں، ان کے چہرے پراطمینان اورپریشانی دونوں ہی جھلک رہے تھے۔یکے بعد دیگرے سب نے اپنی اپنی کوشش کرلی مگرکامیابی نہ ملی۔

بھائی صاحب! آپ ہی پوچھیں کیا ہو گیا ہے اسے۔نفیسہ خاتون نے اپنے جیٹھ سے لجاتے ہوئے کہا۔ثانیہ کے تایاجان فہیم قریشی کافی دیر سے خاموشی کے ساتھ سر جھکائے بیٹھے تھے، بھاوج کے کہنے پر متوجہ ہوئے اور ثانیہ کي طرف تیز نگاہ ڈال کر گویا ہوئے،بٹیا! زورزبردستی کرکے ہم تمہیں نہیں روکتے مگر اتنا بڑا فیصلہ تم کیسے کرسکتی ہو؟کیاتم ہمیں بیگانہ سمجھتی ہو؟ثانیہ کے آنسو بہہ نکلے اوروہ قریشی صاحب کے پیروں میں آن بیٹھی اوران کے ہاتھ چوم کر بولی: بڑے بابا!نہ تو آپ بیگانے ہیں اورنہ ہی میں آپ سب کو دکھ دینا چاہتی ہوں۔توپھر کیا معاملہ ہے؟قریشی صاحب نے ثانیہ کو صوفہ پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ بڑے بابا!میں نے یہ فیصلہ اپنے اورشاہ جی کے بھلے کے لیے ہی کیاہے۔قریشی صاحب تعجب سے بولے:وہ کیسے بٹیا؟بڑے بابا! میں اکیلی پڑجاتی ہوں، گھر کے کام کاج،بچوں کي دیکھ بھال، بازار کي خریداری سے کھاناپکانے اور پھر کھلانے تک،بچوں کواسکول سے لانا،پھراس پراگر طبیعت خراب ہو جائے تو یہ سارے امور تعطل کا شکار ہو جاتے ہیں۔

بٹیا!کوئی نوکرانی بھی تورکھی جاسکتی ہے؟اشرف ماموں نے حل پیش کیا۔جي ماموں جان! مگر آپ جانتے ہیں کہ ہلال کے بابا تنخواہ دار طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں،ان کي آمدنی میں ہم بچوں کي فیسیں، بجلی گیس کے بل،ماہانہ راشن پانی، دوادارو، کپڑالتّا، غمی خوشی اور عید تہوار کے اخراجات کے ساتھ کسی کي تنخواہ کا بوجھ برداشت نہیں کرسکتے۔اگر ہم کسی کونوکررکھتے ہیں توکیاہم اس کے دکھ درد میں شریک ہوئے بغیر رہ سکیں گے،وہ بھی ہماری طرح کئی مجبوریوں میں جکڑی ہوئی خاتون ہو گی جو محض پیٹ پالنے کي غرض سے کئی گھروں میں کام کرتی ہو گی، پھر وہ میرے گھر کواپنا سمجھ کر تو نہیں آئے گی بلکہ ڈیوٹی نبھانا اور تنخواہ حاصل کرنا اس کا مقصد ہو گا۔

اس کے برعکس اگر شاہ جی نکاح کرلیتے ہیں تو ان کي بیوی میری ہمدردی میں نہ سہی اپنے شوہر کي محبت میں ہی میرے گھر کواپنا سمجھے گی، میری اولاد کواپنے شوہر کي اولاد جان کر ساتھ دے گی۔اور میں اس کے لیے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتی کیونکہ میں اپنے شوہر کي محبت کا بدلہ سوائے پیار و محبت کے کچھ اور نہیں دیناچاہتی، میرے لیے اس کي عزت واحترام کے لیے اتناہی کافی ہے کہ وہ میرے شوہر کي منکوحہ ہو گی،میں اس کي عزت واحترام اور حقوق کاخیال رکھوں گی تووہ بھی یقیناً ایساہی کرے گی۔

میں کیا کہوں میری بچی یاتو تم ابھی تک بھولی بھالی ہو یابہت سمجھ دار ہو گئی ہو، بھلا آج کے زمانہ میں کوئی ایسا بھی ہو گا جو اپنا گھر داؤ پر لگادے۔نفیسہ خاتون بیچ میں بولیں۔کہنے دیجیے بھابی ثانیہ کوبات مکمل کرنے دیں۔قریشی صاحب نے کہا۔

بڑے بابا! میں پڑھی لکھی ہوں مگر شادی ہونے کے بعد گھر کی ہو کر رہ گئی ہوں اور شاہ جی ویسے بھی مجھ سے نوکری یا کمائی کروانا پسند نہیں کرتے بلکہ جس قدر ممکن ہو خود تکلیف اٹھا کر ہماری ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ویسے بھی گھر ستی سے ہی فرصت نہیں ملتی اور مل بھی جائے تو تکان کے باعث آرام کو ترجیح دیتی ہوں تو کیسے کوئی کام کر سکتی ہوں۔

ثانیہ! شرعی طور پر تو کوئی قباحت نہیں مگر جیسے تم نے بتایا کہ تمہارے شوہر کی آمدنی میں تمہارا گزرا مشکل ہوتا ہے تو اس پر دوسری بیوی کا گزر کیسے ہو گا؟ چچا نعیم قریشی نے ثانیہ کو مخاطب کر کے کہا۔ مولانا چاچا! بالکل ویسے جیسے ہم تمام بہن بھائی ایک والد کی آمدنی میں گزارا کرتے ہیں۔ کیا سب کے اخراجات مختلف نہیں ہوتے؟ سب کی خواہشات مختلف نہیں ہوتیں؟ مگر پھر بھی ماں باپ کی محبت اور شفقت میں سب پلتے ہیں۔

لیکن ثانیہ وہ تمہاری بہن یا بھائی تو نہیں ہو گی اور وہ تمہارا ساتھ بھلا کیوں دے؟ اس بار ریحانہ بھابی نے اعتراض اٹھایا۔ بھابی! میں بھی نہیں چاہتی کہ وہ میری بہن ہو، بلکہ میں چاہتی ہوں کہ وہ میری دوست کلاس فیلو یا روم میٹ کی طرح ہو تا کہ ہم میں ایک دوسرے کا احترام اور وقار باقی رہے، اور وہ میرا ساتھ اس لیے دے کہ میں اس کی خاطر اپنا سب کچھ ایثار کر رہی ہوں۔

آپ کو ابھی اندازہ نہیں ہے کہ وہ آپ کا کیا حال کرے گی، سب کچھ جو آپ دے رہی ہیں ناوہ سب ہڑپ کر کے آپ پر ہی راج کرے گی۔ چھوٹی سمرہ نے اندیشہ سے خبر دار کرتے ہوئے کہا۔ اچھا! کیا حال کرے گی وہ میرا؟ اور کیا شاہ جی نہیں ہوں گے جو میں گھبراؤں؟ ویسے بھی جو چیز میری ملکیت ہے وہ میری ہی رہے گی، وہ چھین تو نہ لے گی، باقی جو کچھ بھی ہے وہ میرے شوہر کا ہے تو جتنا حق میرے شوہر کے مال پر میرا ہے اتنا ہی اس کا بھی، اس میں تو کوئی قباحت نہیں۔

آخر یہ مشورہ آپ کو دیا کس نے ہے؟ کیا کوئی اور حل نہیں؟ ثانیہ سے چھوٹی فاریہ نے پوچھا۔

مشورہ تو کسی کا نہیں البتہ میں چندروز سے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سیرت پڑھ رہی ہوں، مجھے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں تو بہت حیرت ہوئی، میں سوچنے لگی کہ کیسے سب ایک ساتھ رہتی ہوں گی، ان میں آپس میں جھگڑے یا بحث و تکرار ہوتے ہوں گے، ان سب کے اخراجات وضروریات کیسے پورے ہوتے ہوں گے، جب یہ تمام سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوئے تو میں نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تمام ازواج کی سیرت پڑھنا شروع کر دی، جیسے جیسے میں ان کے حالات پڑھتی گئی مجھے اپنے تمام سوالات کے جوابات ملتے گئے، اور میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ وہ سب کی سب ہماری مائیں ہیں

اوران کی زندگیاں ہمارے لیے مثال ہیں، ان میں ہر ایک کا مطمح نظر اللہ تعالی کی رضا اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خوشی حاصل کرنا تھا، انہوں نے قدم قدم پر یہی چاہا کہ ان کے خاوند ان سے راضی رہیں اوران کی محبت انہیں حاصل رہے۔میں نے غور کیا تو ہم میں بھی ہر عورت کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہمارے خاوند ہم سے ناراض نہ ہوں، اسی لیے ہم بھی ان کی خدمت کرتے ہیں اوران کے ہر ممکن آرام کا خیال رکھتے ہیں۔

عصر کی اذان ہونے لگی تونعیم قریشی صاحب کے ساتھ سبھی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اچھابٹیا!ہم ذرانماز پڑھ آئیں۔جی بھائی صاحب۔نفیسہ خاتون بولیں۔پھر ثانیہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگیں: دیکھو ثانیہ تم ہمیں باتوں میں مت الجھاؤ، اصل اور صحیح وجہ بتاؤ۔امی! میں وہی بتارہی ہوں۔اری وہ نبی تھے اوروہ ان کی بیویاں !توامی ہمیں ان کے حکم پر ہی توچلناہے، انہیں کی وجہ سے توہم مسلمان ہیں، ورنہ توہندو کافر ہوتے۔اری وہ ان کی ہی ہمت وطاقت تھی، میری پیاری امی! اللہ تعالی ہر انسان کواس کی ہمت کے مطابق ہی آزمائش دیتاہے۔اور میں کوئی گناہ کا کام تو نہیں کررہی بلکہ یہ تو اللہ تعالی کے کلام میں اس کا حکم ہے کہ مرد چار نکاح کر سکتاہے۔گناہ تواس کے حکم کے خلاف سوچنے اوراس کی مخالفت کرنے میں ہے۔آپ خود سوچیں کہ آپ کا داماد شادی شدہ ہو کر بھی کسی غیر عورت سے تعلق قائم کرلے تو کیا یہ گناہ نہ ہوگا؟اورآپ کی ہماری ہمارے خاندان کی اورخودان کے پورے خاندان کی عزت خاک نہ ہوجائے گی؟جبکہ وہ دوسری شادی کرلیں تو گناہ سے بھی بچ جائیں گے اور عزت میں کمی بھی نہ آئے گی۔

مگروہ ایسا کرے ہی کیوں؟نفیسہ خاتون جھلا کر بولیں۔امی اس لیے کہ اللہ تعالی نے عورت کو مرد کے لیے پیدا کیا ہے مرد کوعورت کے لیے نہیں! یہ کیسا فلسفہ ہے ثانیہ؟رعناچچی بھی جھلا گئیں۔چچی جان یہی تو صحیح ہے، کیا اللہ تعالی نے مرد کوعورت پر ایک مقام بلند نہیں دیا؟کیا آدم علیہ السلام کوپہلے پیدا نہیں کیا گیا پھر ان کی اداسی کو دور کرنے کے لیے بی بی حواء علیہا السلام کو ان کی پسلی سے پیدا کیا؟پھر مرد کو حکم دیا کہ بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرے عورت کو نہیں کہا کہ بیک وقت چار مردوں سے نکاح کرے، سچ تو یہی ہے نا کہ مرد عورت کورکھتاہے عورت مرد نہیں رکھتی۔چنانچہ ہر مرد کی اپنی خواہش واستطاعت ہوتی ہے کوئی ایک عورت پر اکتفا کر تا ہے توکوئی دوپر اور کوئی چارپر۔معاشرے پر نظر ڈال کر دیکھیں تو مرد صرف عورت کورکھتا نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ نسل انسانی کو فروغ دیتے ہوئے آگے بڑھاتاہے جس کے ضمن میں گھر اور گھریلو ضروریات کی تمام اشیاء سے لے کر عورت وبچوں کی ضروریات وخواہشات شامل رہتی ہیں۔ان تمام حاجتوں

کو پورا کرنے کے لیے اگر عورت اپنی استطاعت کے مطابق مرد کا ساتھ دے تو کیا برائی ہے؟ اور تعاون کا مطلب صرف پیسہ کما کر دینا ہی نہیں ہے بلکہ اس کی راحت کو پر سکون بنانا تعاون ہے۔

ایک مرد کی ضرورت کے لیے ایک عورت کافی نہیں کیا؟ ثانیہ سے بڑی نمرہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ ثانیہ نے برجستہ کہا: نہیں! کیونکہ چار کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ ضرورت موجود رہتی ہے، چار میسر نہیں آتیں یہ ایک علیحدہ پہلو ہے۔ خود سوچیں کہ ہر عورت ہر ماہ مخصوص دنوں سے گزرتی ہے جو ہر مرد کو لامحالہ برداشت کرنا پڑتے ہیں مگر جب عورت حاملہ ہو جائے تو بچے کی پیدائش کے بعد تک انتظار کرنا یا دوسرے طریقے استعمال کرنا مردوں پر ناگوار گزرتا ہے، اور اس سے ان کی صحت و اعمال دونوں بگڑ جاتے ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ عورت کے محض بیمار پڑ جانے سے پورے گھر کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، بچوں کو وقت پر ناشتہ نہیں ملتا، اسکول کی تیاری نہیں ہوتی، ان کا نہلانا دھلانا مشکل ہو جاتا ہے، ہفتہ بھر میں کپڑوں کا ڈھیر جمع ہو جاتا ہے، گویا ہر کام گڑبڑ ہو جاتا ہے ایسے میں مرد کیا کرے گا باہر سے کما کر لائے گا یا گھر میں بیوی کی تیمارداری کرے گا، بیوی کو دوا دلانے کی وجہ سے ہاف ڈے تو مل جائے گا مگر ہفتہ بھر کی چھٹیاں تو نہیں ملیں گیں۔ پھر اس کے نتیجہ میں تنخواہ بھی کٹے گی۔ ان تمام حالات میں عورت کی کمی کو عورت ہی پورا کر سکتی ہے کیونکہ گھریلو معاملات کو عورت ہی بہتر طور پر سمجھ کر انجام دے سکتی ہے۔

دروازے پر دستک ہوئی تو فہیم قریشی صاحب سب کے ساتھ نماز پڑھ کر لوٹ آئے اور اندر کمرے میں آبیٹھے۔ فاران قریشی نے بیٹھتے ہی کہا کہ ثانیہ! سارے ملک میں اس وقت معاشی بحران چل رہا ہے، تم دیکھ رہی ہو کہ لاک ڈاؤن پہ لاک ڈاؤن لگایا جا رہا ہے، ان حالات میں ایک طرف تو تم کہہ رہی ہو کہ تمہارے میاں کی آمدنی کم ہے اور دوسری طرف تم ان کی شادی کا سوچ رہی ہو، ان دنوں میں تو ایک (کنبے) فیملی کو پالنا مشکل ہے اور تمہیں دوسری سجھائی دے رہی ہے؟ بھائی جان! میں پہلے بھی بتا چکی ہوں، اور میری خواہش ہے کہ میں بھی امہات المؤمنین سلام اللہ علیہن کی طرح زندگی گزار کر دیکھوں، ان کی طرح اپنے شوہر کی بیویوں کے ساتھ رہوں اور دیکھوں کہ آخر ان کی زندگی کا کیا راز تھا کہ وہ گیارہ ہو کر بھی ساتھ رہیں اور قیامت تک آنے والی عورتوں کے لیے مثال بن گئیں۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح میرے شوہر بھی زیادہ مطمئن رہیں گے انہیں باہر جا کر گھر کی فکر نہ رہے گی، کیونکہ دونوں عورتیں مل کر گھر اور بچوں کی دیکھ بھال زیادہ بہتر طور پر کریں گی۔ وہ شام کو زیادہ کام کر کے گھر لوٹیں گے تو انہیں گھر میں ایک نہیں دو افراد خوش آمدید کہنے کو ملیں گے تو سارے دن

کي تکان جاتی رہے گی۔۔۔ وہ مزید کہنا چاہ رہی تھی کہ فہیم قریشی صاحب نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: اچھا بٹیا! سب لوگ یک دم متوجہ ہوئے۔

یہ بتاؤ کہ یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے یا تمہارے میاں کا؟ بڑے بابا! میرا! بلکہ ہم دونوں کا۔ اچھا! کوئی لڑکي دیکھی انہوں نے؟ وہ تو میں نے دیکھی ہے۔ ہیں! کون ہے؟ نفیسہ خاتون نے جھٹ سے پوچھا۔ ثانیہ نے اشرف ماموں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ماموں جان کي ماہین۔ یہ سن کر سب حیرت سے مبہوت ہوگئے اور امی تو جس قدر ہیجان میں تھیں یک دم ہی تھم گئیں، کچھ لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا اور سب ثانیہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگے، امی مدھم آواز میں بولیں: مگر ثانیہ وہ تو بیوہ ہے؟ قریشی صاحب اور ماموں بھی ششدر رہ گئے تھے۔ جی امی! اسی لیے تو میں یہ چاہتی ہوں۔ اس طرح اس کو سہارا مل جائے گا اور وہ میرا سہارا بن جائے گی۔ پھر کیا تھا امی نے ثانیہ کو لپک کر گلے سے لگالیا اور بے اختیار ان کے آنسو بہہ نکلے اور ماموں کی حالت تو دیدنی تھی انہوں نے ثانیہ کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھا اور کہا: میری بچی! میری ہزار ماہین تجھ پر فدا۔ تایا جان بھی مسکرانے لگے جبکہ فخر سے ان کا سر بلند ہو گیا۔ انہوں نے بھی ثانیہ کي خوب حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا: میری بٹیا! اعلي خاندان کي اعلي بیٹی۔ سارا ماحول ایسا پرسکون ہو گیا جیسے کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں۔ ثانیہ کے مولانا چاچا ماشاء اللہ! ماشاء اللہ پکارتے ہوئے سراپا تحسین بنے ہوئے تھے سب کو مخاطب کرکے بولے: اسی فیصلے میں حکم ِباری تعالي کي رضامندی ہے اور اللہ تعالی کے احکام کي فرماں برداری میں ہی دونوں جہاں کی کامیابي ہے۔ ہم خود کو مسلمان اور اپنے سماج کو اسلامی معاشرہ کہتے ہیں مگر شریعت کے احکام کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کو تیار نہیں، دوسری شادی کي مخالفت اس قدر جدوجہد اور جذبات سے کرتے ہیں کہ جیسے جہاد کر رہے ہوں، دوسری شادی کو معیوب اور کرنے والے کو عیاش سمجھتے ہیں۔ مائیں، بہنیں، خالائیں، پھوپیاں، چچی، تائی غرض خاندان میں جتنی بھی عورتیں ہوں سب مل کر محاذ قائم کرلیتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ثانیہ کي طرح اپنی ماؤں بلکہ تمام مؤمنوں کي ماؤں اور پیارے نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کي سیرت کو نہیں پڑھا ہوتا۔ ورنہ انہیں بھی اللہ کے فرمان میں سوتن کي صورت میں رحمت ونعمت کا نشان ملتا، اسی پر تو فرمان ِالٰہی ہے: وَعَسَىٰٓ أَن تَكۡرَهُواْ شَيۡـٔٗا وَهُوَ خَيۡرٞ لَّكُمۡۖ وَعَسَىٰٓ أَن تُحِبُّواْ شَيۡـٔٗا وَهُوَ شَرّٞ لَّكُمۡۚ وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ وَأَنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ (216) اور ہوسکتا ہے کہ تم نا پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور (حقیقتِ حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ہر گھر میں ایک ثانیہ پیدا ہو جائے تو کسی گھر میں بیوہ نہ بیٹھی ہو اور کنواریوں کے لیے رشتوں کی دعائیں نہ کروانا پڑیں۔ معاشرہ بھی اپنی مثال آپ ہو۔

 طاقت کا گھمنڈ اور شیطانیت 

از قلم: علامہ سید سعد ابراہیم

انسان میں اللہ رب العزت نے سیکھنے کی صلاحیت فطری رکھی ہے، چاہے وہ کسی معلم سے علم حاصل کرے یا نہ کرے، اپنے گردو پیش اور ماحول سے کچھ نہ کچھ ضرور سیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو شخص رشوت خوروں میں پرورش پائے، طاقت ملنے پر بڑا رشوت خور بنتا ہے، زانیوں کے لشکر میں پروان چڑھے، طاقت ملنے پر بڑا زانی بنتا ہے، تکبرانہ سوچ اور لسانیت کے ماحول میں بڑا ہو، تو خود بڑا متکبر اور نسلی امتیاز کے فاسد گمان میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ تمام افراد طاقت کو کسی نہ کسی طرح خود کے ساتھ قائم رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ ایسے لوگ طاقت کا حصول عوام کے مفاد کے لیے نہیں بلکہ اپنا اقتدار اور اپنی ذات کو برتر تسلیم کروانے کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ ان سب میں ایک صفت خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی ہے، کہ یہ لوگ اپنی تمام تر طاقت خود سے کم درجہ اور وسائل کی کمی کے شکار لوگوں پر آزماتے ہیں، ان کو مختلف انداز سے ڈرا کر ان سے خدمات لیتے اور انہیں اپنے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ایسے لوگ آپ کو اپنے اردگرد کے ماحول، سیاسی جماعتوں، دفاتر اور مذہبی مقامات میں نظر آتے ہیں۔

اس کے برعکس جو شخص اللہ رب العزت کے احکامات کی روشنی میں زندگی گزارنے والوں کے ساتھ پرورش پائے، اس کے وجود سے لوگ تازگی محسوس کرتے، ان کی مجلس میں دل کا سکون پاتے اور اسے اپنا ہمدرد پاتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ان شیطان صفت لوگوں اور فرشتہ صفت لوگوں کے بارے میں جانیں تو آپ ان کے حلقۂ احباب اور ان کی محبتوں کے مرکز پر غور کریں، ان کے نزدیک جن صفات کے حامل لوگ توجہ کا مرکز اور آئیڈیل ہوں گے، وہ شخص انہیں صفات کا حامل ہو گا۔ اسی لیے اپنا حلقۂ احباب چنتے وقت اچھی طرح چھان پھٹک کرلیں کہ کہیں ہم بھی ان شیطان اور گھمنڈی لوگوں کو اپنا آئیڈیل تو نہیں بنا بیٹھے۔

اسلاموفوبیا کے اسباب وسدباب

از قلم: ڈاکٹر حبیب الرحمن ڈائریکٹر جرنل سیرت ریسرچ سینٹر کراچی

مغرب میں اب مسلمانوں کی تقریباً تین نسلوں کے گزر جانے کے بعد ایسے سوالات اور شکوک وشبہات نے سر اُٹھانا شروع کر دیا ہے جس کی بجاطور پر توقع کی جاسکتی تھی۔ اس ضمن میں مسلمانوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنی نسلی و مذہبی شناخت کی حفاظت کے لئے کوئی منظم، مربوط اور دیرپا لائحہ عمل اب تک ترتیب نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور حقارت پر مبنی رویہ جسے اسلاموفوبیا کہا جاتا ہے ہر طرف پھیلتا نظر آرہا ہے۔ اسلام کے بارے میں پورے مغرب میں یہ تاثر پختہ ہوتا چلا جارہا ہے کہ یہ "دوسروں، اجنبیوں یا غیر ملکیوں" کا دین ہے۔ لہٰذا اس کو باقاعدہ ایک دین اور مذہب کے طور پر قبول کرنا اُن کے لئے خود اُن کی اقدار، روایات، تاریخ اور مذہب کی قیمت پر ممکن ہو نہیں پارہا۔ مسلمانوں کے خلاف نفرت کے اثرات میں شدت کو اُس وقت محسوس کیا جاسکتا ہے جب (JOB MARKET) اور وہ بھی اعلیٰ مناصب کا معاملہ ہو یا پھر اعلیٰ تعلیم اور اچھی رہائش کا حصول یا پھر مذہبی فرائض کی بجا آوری ہو۔ ان مواقع پر مسلمانوں کو بعض یورپی ممالک میں کم یا زیادہ امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ مغرب میں اس امتیازی رویہ کا شکار فقط مسلمان ہی نہ ہوں بلکہ وہ تمام غیر یورپی اقوام اور اقلیتیں بھی ہوں جو کسی بھی وجہ سے آکر مغرب میں مستقل آباد ہوچکے ہیں۔ مسلمان بطور خاص مغرب کی اس نفرت کا شکار اس لئے ہیں کہ اب انہیں ان کی قومی شناختوں کے بجائے ٹوپی، عمامہ، داڑھی، حجاب، برقع، مسجد، مساجد کے مینار، آذان، باجماعت نمازوں جیسی علامات اور دہشت گردی، شدت پسندی اور انتہاء پسندی کو ان کی پہچان بنا کر نفرت اور امتیاز کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

ہر باشعور آدمی یہ سوال کرتا ہے کہ آخر ایسا کیا مسئلہ ہے کہ مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بیسویں صدی کے ربع آخر (Last Quarter) اور اکیسویں صدی کے جاری ربع اول (First Quarter) میں منفی، جارحانہ اور انتہاء درجہ کا متشددانہ عمل شروع ہو گیا ہے؟ اس سلسلے میں سب سے زیادہ موردِ الزام پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا کو ٹھہرایا جاسکتا ہے جس نے فروغِ نفرت وبغض کا یہ کاروبار (Hate business) اپنے مخصوص مفادات کے حصول کے لئے جاری رکھا ہوا ہے۔ اسی لئے پورے مغرب میں کسی بھی جگہ بم دھماکہ، قتل وغارت گری یا انتقام پر مبنی کوئی عمل یا ردِ عمل وقوع پذیر ہو جائے تو وہاں کے میڈیا کی چاندنی ہو جاتی ہے کیونکہ سب سے پہلے بغیر جانے بوجھے وہ جس گروہ کی گردن کو پتلی سمجھ کر دبوچتے اور ان پر آسانی کے ساتھ الزام لگاسکتے ہیں وہ مسلمان ہیں، خواہ وہ کام مسلمانوں نے کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ میڈیا کا یہ جانبدارانہ

اور تعصب پر مبنی رویہ اچانک کی پیداوار ہر گز نہیں ہے اس کے پیچھے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ تاریخی مخاصمت کا وہ رویہ ہے جس کی جڑیں کم و بیش چودہ سوسال پر محیط ہیں۔اس رویے کو مزید نفرت انگیز اور متشدد بنانے میں گیارہ ستمبر 2001ء کے واقعہ (ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ) اور 2005/7/7 میں لندن کے حملوں نے بڑھاوا دیا ہے۔ان واقعات کے بعد انسدادِ دہشت گردی کے نام پر مغرب نے امریکہ کی قیادت میں مسلمانوں کے خلاف بڑے پیمانے پر جنگ شروع کر دی جس میں حق و باطل، سچ و جھوٹ بلکہ صحیح اور غلط تک کی تمیز اور تفریق کو بالائے طاق رکھ کر ہر قسم کے ظلم وجبر کو روار کھا گیا۔اسلام اور مسلمانوں پر ہر ممکن الزام لگایا گیا جس کے نتیجہ میں ان کے خلاف اس جنگ نے مغربی معاشروں میں موجود اسلام کے خلاف متعصّب رویے کے حوالے سے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ مغربی معاشروں میں رہنے والے مسلمانوں میں مسلمان ہونے کا شعور بڑھتا چلا گیا ہے۔جس کے نتیجے میں مغرب میں اس شعور کے خلاف ردِ عمل کے طور پر خوف کی فضاء پروان چڑھی ہے۔مسلمان ہونے کے شعور کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی پہلی نسل مغرب سے مرعوب پاکستانی، بنگلادیشی، الجزائری، ترک، کردش اور عرب پر مشتمل تھی۔جنہیں ماسوائے مستثنیات کے اپنے مسلمان ہونے کا شعور نہیں تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے درمیان پائے جانے والی قومیت اور وطنیت(Nation laity) کے تصور پر اسلام کا بطوردین ِکامل اور مسلمان ہونے کا غلبہ ہوتا چلا گیا بالخصوص یورپی یونین(European union) کے وجود میں آنے کے بعد مسلمانوں اور بالخصوص نوجوانوں کے درمیان اُمت کا تصور پروان چڑھنے لگا۔مسلمان قومیتوں میں اختلافِ لسان و اوطان کے باوجود اتحادِ اُمت کے نعرے نے حقیقت کا روپ کسی نہ کسی درجہ میں دھارنا شروع کر دیا اور دوسری طرف وطنیت کا تصور مغلوب اور کمزور ہوتا چلا گیا۔بیسویں صدی کا ربع آخر مسلمانوں کے درمیان احیائے اُمت(Revival of Ummah) کے تصور کی بنیاد پر اتحاد ِاُمت کی طرف بڑھنے کی کوششوں کا از سرِ نو آغاز کہلایا جا سکتا ہے بالخصوص مسلمان نوجوان اپنے بڑوں اور بزرگوں کے مقابلے میں اتحاد و احیائے اُمت کے حوالے سے زیادہ پر جوش ثابت ہوئے جس کی توقع مغرب کو ہر گز نہیں تھی کیونکہ ان نوجوانوں کی اکثریت خود مغربی تعلیمی اداروں اور جامعات سے فارغ شدہ ہے۔یہ نوجوان بظاہر انگریزی اور مغربی زبانوں میں ہی گفتگو کرتے اور سمجھتے، مغربی لباس پہنتے، مغربی کھانے کھاتے اور مغربی طرزِ زندگی (Life-Style) کے مطابق رہتے ہیں لیکن ان کی اکثریت فکر و نظر کے اعتبار سے پختہ مسلمان ہے۔ان نوجوانوں کو بظاہر غیر روایت پسند اور لبرل ہونا چاہیے تھا کیونکہ مغرب کو یہ توقع تھی کہ مسلمانوں کی پہلی نسل جو بہت زیادہ روایت پسند تھی،اس کے بعد کم روایت پسند اور پھر اُس کے بعد والی نسل اپنی اقدار وروایات سے کلیتاً نابلد ہو گی جبکہ موجودہ نوجوان نسل کے بارے میں ان

کو یہ توقع تھی کہ وہ اپنے وطنی شناخت کے ساتھ ساتھ اسلام کی شناخت سے بھی دست بردار ہو جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس موجودہ مسلمان نسل میں اپنے دین سے تعلق اور وابستگی کا اظہار پہلے کے مقابلے میں زیادہ نظر آرہا ہے کیونکہ وہ اب اپنے دین کو اور دین کی بنیاد پر قائم سیاسی نظام کو اپنے لئے نجات دھندہ سمجھتا ہے۔اس کی بڑی وجہ ان کا اپنے سیکولر حکمرانوں کی طویل حکمرانی اور طبقہ اشرافیہ کی تمام تر وسائل کے باوجود مایوس کن کارکردگی، قومی اثاثوں کی لوٹ مار، ناکام طرزِ حکومت، رشوت خوری، بددیانتی بلکہ وطن سے غداری، مغربی مفادات سے وفاداری، مغرب سے مرعوبیت اور ذہنی غلامی نے ان نوجوانوں کو اپنے حکمرانوں سے شدید متنفر کر دیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ عالمی اسلامی تحریکات، دعوت و تبلیغ کی تنظیمات، اصلاحی جماعتوں اور مسلمان مفکرین اور دعاۃ(Preachers)نے اسلام کو تحریر و تقریر میں بغیر کسی معذرت خواہی کے جدید اسلوب میں بھرپور طریقے سے تقابلی انداز میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی، جس کے نتیجہ میں علمی و عقلی دلائل کی بنیاد پر اسلام کی عظمت و اہمیت نوجوانوں کے دل و دماغ میں بطور واحد حقیقی نجات دھندہ دین کے مرتسم ہوگئی ہے۔اس قلمی، تقریری، اصلاحی ، فکری و نظریاتی جہاد کے نتیجہ میں مشرق و مغرب میں مسلمان نوجوانوں میں اپنی نشاۃ ثانیہ اور اُمت واحدہ کا تصور بیدار کر دیا۔

اب مسلمان نوجوانوں میں احیائے اُمت کے تصور پر مبنی بیداری کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا ہے کہ مغربی ممالک اور مغربی تنظیمات و ادارے جو پہلے صرف ترک ، سعودی ، کویتی، الجزائری، پاکستانی ، بنگلادیشی اور افغانی کی اصطلاح میں بات کرتے تھے اب انہیں مسلمان کی اصطلاح میں بات کرنی پڑتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی ایک ملک کے شہری ہونے کے بجائے کسی شخص یا گروہ کو پوری اُمتِ مسلمہ کا رکن یا گروہ بتاتے یا (Declare)کرتے ہیں تو اُس کی مخالفت یا عداوت کسی وطنی و ملکی جغرافیہ سے ماوراہو کر آفاقی(Global) ہو جاتی ہے۔یہ معاملہ خود مغرب کے لئے اس معنی میں خطرناک مسئلہ بن گیا ہے کہ وہ اب کسی مسلمان شخص یا معتدل مسلمان گروہ پر طنز، استہزاء، حقارت اور پابندی کی جسارت کریں تو انہیں کسی ایک ملک یا وطن کے شہریوں کے ردِ عمل کے بجائے پوری اُمت کے ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑھ سکتا ہے جو اس کے سیاسی، معاشی، ثقافتی، بین الاقوامی اور تزویراتی(Strategic)مفادات کے خلاف دنیا کے کسی کونے میں بھی ان کے لئے لاوا بن کر پھٹ سکتا ہے لہذا اب اُن کے لئے اسلام کی مخالفت کا سادہ سا معنی پوری اُمتِ مسلمہ کے ساتھ دشمنی کا خطرہ مول لینے کے مترادف ہو گیا ہے۔

مغرب میں خود مسلمانوں کی موجودگی اور اُس میں مسلسل اضافہ مغرب کے بعض ممالک کے لئے بڑا مسئلہ بنتا چلا جا رہا ہے بالخصوص نیدرلینڈ، فرانس، جرمنی سمیت ان تمام ممالک میں اسلاموفوبیا کے اثرات زیادہ پائے جاتے ہیں جہاں وطن پرستی(Nationalism)کا احساس زیادہ ہے کیونکہ یورپی یونین کے ممالک خود

بھی قومی شناخت کے بحران (Crises of National Identity) سے دوچار ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپی یونین کے وجود میں آنے کے بعد میں فرانسیسی، جرمن، اور ولندیزی ہونے کا کوئی خاص مطلب اور اہمیت نہیں ہو سکتا لہٰذا ایک طرف مغربی ممالک کی وطنی شناخت اور وطن پرستی کم سے کمتر ہوتی چلی جا رہی ہے دوسری طرف مسلمانوں میں اسلام کے ساتھ تعلق اور ان کی اسلامی شناخت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی تعداد ہجرت اور کثرت ولادت کی وجہ سے بڑھ رہی ہے جبکہ دوسری طرف مغرب کی سفید فام آبادی مسلسل گھٹ رہی ہے لہٰذا مستقبل قریب یا بعید میں مغرب کے موجودہ منظر نامہ میں آبادی کے حوالے سے انقلابی تبدیلیاں متوقع ہو گئیں ہیں جن کی طرف بار بار مغربی ماہرین عمرانیات و سماجیات، مغربی معاشروں اور حکومتوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اسلاموفوبیا کا اثر کتنا گہرا ہے اس کا اندازا اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کینیڈا کے قصبہ میں بدکاری (Adultery) کے نتیجہ میں بدکار مرد و عورت کو سنگسار کرنے کی ممانعت کا قانون پاس ہوا ہے حالانکہ کینیڈا میں نہ تو کوئی مسلمان قاضی ہے، نہ کوئی مسلمان عدالت اور نہ ہی مسلمانوں کی طرف سے ایسا کوئی مقدمہ وہاں کے کسی عدالت میں چلایا جا رہا ہے لہٰذا قبل از وقت کسی بھی مسئلے پر اور بالخصوص وہمی، تصوراتی اور خیالی مسائل پر قانون سازی اور وہ بھی مسلمانوں کے حوالے سے مفروضہ خوف اور خیالات کی بنیاد پر قانون سازی کو مضحکہ خیز عمل بلکہ بلا جواز اور بے بنیاد خوف و ہراس پھیلانے کا سبب ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

امریکہ میں اوبامہ کے امریکہ صدر منتخب ہونے پر ایک مریکی خاتون نے کہا تھا (We want our country back) یعنی ہمیں ہمارا وطن واپس کرو یعنی امریکہ کا صدر گورے کے بجائے کالا کیسے بن سکتا ہے کیونکہ امریکہ میں بعض گوروں کے نزدیک مذہبی تکثیریت (Religious Pluralism) کے باوجود حکمرانی کا حق کسی غیر سفید فام کو نہیں دیا جاسکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ غیر سفید اقوام کو اپنے مقابلے میں علم، عقل، سوچ، فکر اور نظریہ کے لحاظ سے سفید اقوام کے برابر نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک (White men Supremacy) کا مفروضہ ہی ان کے لئے ناقابل تردید حقیقت ہے۔

مغرب میں اسلاموفوبیا کا اثر کتنا زیادہ ہے اس کا اندازا اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آسٹریلیا کا شہر، ایڈیلیڈ (Adelaide) جس کی موجودہ آبادی تقریباً 14 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے، اس شہر کی انتظامیہ نے کوشش کی ہے کہ وہ برقع کو (Ban) کر دیں حالانکہ پورے شہر میں بمشکل چند ہی خواتین جنہیں انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے برقع پہنتی ہیں۔ اس مسئلہ کو حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ایسے کسی مسئلے پر قانون سازی کے لئے قانون ساز اسمبلی کے ممبران کی طرف سے کوشش، وقت اور وسائل کے ضیاع کے ماسوا کیا ہو سکتا ہے۔
جب ان سے پوچھا جائے کہ آپ ایسے کسی مسئلہ پر قانون سازی کا تکلف کیوں کر رہے ہیں جو حقیقی مسئلہ ہے ہی

نہیں؟ توان کی طرف سے جواب یہ دیا جاتا ہے کہ تمام ڈکیتیوں اور بینکوں پر ڈاکہ زنی کی وارداتوں میں برقع پوش افراد اپنی شناخت چھپا کر ملوث ہوتے ہیں۔اسی طرح امریکہ کی آٹھ ریاستوں میں شریعت کو قانونی طور پر banned کر دیا گیا ہے حالانکہ وہاں نہ تو مسلمان اقتدار میں ہیں اور نہ ہی اکثریت میں اور نہ ہی شریعت کے نفاذ کا کوئی نعرہ یا مطالبہ کسی مسلمان تنظیم کی طرف سے کیا گیا ہے لیکن شریعت کو جانے اور سمجھے بغیر ہی شریعت کو خوف کی علامت کے طور پر دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔

آسٹریلیا میں کئی ایسے بھی قصبات ہیں جہاں ایک بھی مسلمان نہیں پایا جاتا لیکن وہ قصبات اسلام اور مسلم دشمنی میں بہت زیادہ آگے آگے نظر آتے ہیں اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مغرب کے نسل پرست، عام اہل مغرب کو اسلام اور مسلمانوں سے دور اور متنفر رکھنے کے لئے یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض مغربی طبقات بالخصوص وہاں کا پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا مسلمانوں کے حوالے سے ان موضوعات پر بحث و مباحثہ تسلسل کے ساتھ کرتا رہتا ہے جن کا خود اسلام کے اصل مسائل سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا مثلاً ہم جنس پرستی، بوائے فرینڈ، گرل فرینڈ، برقع، حجاب، بچوں کے حقوق، خواتین کے حقوق، تعدد ازواج وغیرہ۔ اسلام نے اِن تمام امور پر وضاحت کے ساتھ اپنے مؤقف کو قرآن و سنت میں ابدی صداقت کے طور پر بیان کر دیا ہے۔ یہ مسائل اور احکامات مغرب کی عقل، فہم اور سمجھ میں اس وقت تک نہیں آسکتے جب تک مغرب خود اسلام کو قبول کر کے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہو جائے۔ مغرب کے ماہرین عمرانیات و سماجیات کو یہ حقیقت درست انداز میں سمجھنے کی فوری ضرورت ہے کہ انسان کا اخلاقی اور روحانی وجود اس کے مذہبی واعتقادی وجود کے تابع ہوا کرتا ہے اور دین و مذہب انسانی اخلاقیات اور روحانیت کی تشکیل و صورت گری جن رسوم و شعائر کے ذریعہ کرتے ہیں ان کی حیثیت ابدی صداقتوں کی ہوا کرتی ہے جس کو جذباتی، حیوانی، عارضی اور مادی ثقافتی اقدار کے ذریعہ بدلنے کی جسارت خواہ فرد کرے یا ریاست و حکومت اس کی کوئی اخلاقی، قانونی، آئینی و تہذیبی بنیاد نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے لایعنی طور پر کسی مذہبی اقدار و شعائر کو رد کر دینا خواہ وہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی لیکن اس کا مقصود تربیت و اصلاحِ نفس ِ انسانی یا پھر تعمیر ِ سیرت و اصلاح ِ معاشرت و سماج ہو اس کو کسی بھی طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔

مغرب اپنے آپ کو اُن تمام مسائل کے حل کا ٹھیکیدار سمجھتا ہے جن کے ساتھ عملی طور پر خود اُس کا کوئی لینا دینا نہیں ہے جبکہ دوسری طرف خود مغرب اپنی بے شمار خوبیوں کے باوجود کئی لاینحل مسائل کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ مسلمان دنیا کے حقیقی مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے جن میں سے زیادہ تر خود مغرب کی استعماری اور نظریاتی غلبہ کا نتیجہ ہیں اُس نے مسلمانوں کے اُن معاملات کو جو مسلم سماج کی سطح پر طے شدہ مسلمات کی حیثیت رکھتے ہیں اور خود مسلم دنیا کو ان سے کوئی مسئلہ نہیں ہے انہیں مسلمان دنیا کے بڑے مسائل بنا ڈالا ہے، مثلاً مسلم دنیا میں ایک سے زائد شادی / شادیاں (Polygamy) اہل مغرب کے لئے بلاوجہ ایک بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے حالانکہ

یہی وہ لوگ اور معاشرے ہیں جہاں مردوں سے زیادہ عورتوں نے غیر منکوح شوہر(Boy Friends)رکھے ہوئے ہیں اور اسی طرح مغربی مردوں نے یک زوجگی کے باوجود Girl) Friends)اورداشتائیں(Concubines) رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔اگر یہ مسلمان عورتوں کا اتنا بڑا مسئلہ ہوتا تو مسلمان عورتیں اس کے جواب میں کثیر الازدواجی کے متعلق اپنے دکھ درد کو بیان کرتیں اور اس کے خلاف قانون سازی کا مطالبہ کرتیں۔اسی طرح حجاب اگر مسلمان خواتین کے لئے کوئی مسئلہ ہوتا تو پڑھی لکھی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان خواتین اس کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعہ اپنے جذبات کا اظہار کرتیں لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ مسلمان خواتین اسے اللہ تعالیٰ اور اُس کے آخری رسول ﷺ کا حکم اور رسول ﷺ کے مقدس گھرانے کی عظیم خواتین کی بابرکت سنت وپیروی کے طور پر اختیار کرتی ہیں۔ اسے کسی بھی صورت میں جبر(Oppression)اور پابندی نہیں سمجھتی بلکہ آج اکیسویں صدی کی تمام ترترقیوں کے باوجود مسلمان خواتین حجاب کو اپنی عزت وناموس کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ جانتی ہیں۔

مغرب میں اسلاموفوبیا کے پھیلاؤ کا ایک دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل مغرب سے مرعوبیت زدہ نہیں رہی بلکہ خود مغرب کی عظمت اور ہیبت جو مسلمانوں کی پچھلی نسلوں پر طاری تھی وہ اُس سے بھی نکل آئے ہیں ۔ مسلمان نوجوان اپنے بڑوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تعلیم یافتہ اور اپنے ہم عمر نوجوانوں مغربی کے مقابلے میں زیادہ باصلاحیت ثابت ہورہے ہیں جس کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ مغربی حکومتی و غیر حکومتی نظام کا حصہ بنتے چلے جارہے ہیں جس کی وجہ سے وہ منصب جو کبھی گوری نسل اپنے لئے خاص سمجھتی تھی وہ مناصب اب کم تعداد میں ہی سہی لیکن مسلمانوں سمیت غیر سفید فام افراد اس پر براجمان ہوتے چلے جارہے ہیں جس کی وجہ سے اہل وطن کے دل میں رقیبانہ کشمکش کا پیدا ہوجانا یقینی امر ہے جبکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسلمان ان مناصب پر کسی سازش، لین دین، سفارش یا کسی کی ذاتی پسند وناپسند کی وجہ سے نہیں آرہے بلکہ صرف اپنی تعلیمی قابلیت اور ذہنی صلاحیت کی وجہ سے آرہے ہیں۔

مغرب میں حقوقِ انسانی کے تصور ہی کو لے لیں تو مغرب کو جب بھی مسلمانوں کی طرف سے یہ باور کروایا جاتا ہے کہ وہ دنیا کے مختلف خطوں میں انسانی حقوق کی پامالی کا ارتکاب کررہا ہے تو وہ فوراً کہہ دیتا ہے کہ اسامہ ، صدام حسین ، کرنل قذافی، بشار الاسد، طالبان اور مسلمانوں کے موجودہ ڈکٹیٹر بہت بُرے لوگ اور ایران، سوڈان، افغانستان، شام، عراق، دہشت گرد ریاستیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں پر مسلّط شدہ بُرے حکمرانوں کی اکثریت اہل اسلام کے لئے خود مغرب ہی کا تحفہ ہے جن کی ہر برائی اور ظلم و جبر کو جانتے بوجھتے مغرب نظر انداز کردیتا ہے بلکہ مغرب اپنی غیر مشروط اطاعت وفرمابرداری کے نتیجہ میں ان کی حکمرانی کے

خلاف عوام کے احتجاج اور بغاوت کو جابرانہ اور ظالمانہ طریقوں سے کچلنے میں بھی مدد فراہم کرتا اوران کی ظالمانہ حاکیت و حکومت کو دوام بخشنے کے لئے سودی قرضوں پر مبنی تکنیکی امداد بھی فراہم کرتا ہے۔ ہر کرپٹ مسلمان حکمران یا حکمراں طبقے کے افراد کی چوری کردہ رقم کی حفاظت کے لئے مغرب نے اپنے بینکوں کے دروازوں کو کھول رکھا ہے۔اسی طرح مسلمان ریاستوں کے حکمرانوں کی بیرون ممالک اثاثوں اور جائدادوں کی خریدوفروخت آف شور کمپنیوں کے تعاون سے جاری رکھنے کے لئے ہر ممکن سہولت دی جاتی ہے۔دوسری طرف خود مغرب کبھی یہ ثابت نہیں کرسکا کہ وہ مسلمانوں کے برے حکمرانوں کے مقابلے میں اچھے ،نرم دل، ذمہ دار اور سمجھدار ہیں، بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ مغرب نے مسلمانوں کے ان حکمرانوں کے مقابلے میں خود کو ہمیشہ بدترین ثابت کیا ہے۔اس لئے ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ اسلاموفوبیا کا اصل سبب مسلمان نہیں بلکہ خود مغرب ہے جس نے اپنے نامعلوم خوف کی وجہ سے اسلام کے بارے میں یا اسلام کی مخالفت میں فرضی اوہام وخیالات گڑھ لیے ہیں جن کا حقیقت سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مغرب ہر مادی چیز کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے تحقیق، تفتیش اور جستجو کے ساتھ ساتھ گہری سوچ و فکر اور تعقل و تدبر سے کام لیتا ہے لیکن بڑی حیرانگی کی بات ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے معاملے میں وہ انتہائی تنگ نظر بلکہ متعصب دانشوروں کا اندھا مقلد بن جاتا ہے۔

اسلاموفوبیا کا اصل سبب یہ ہے کہ مغربی قومیں اسلام کے بارے میں کھلا ذہن نہیں رکھتی ہیں۔ان کے غلط طرزِ فکر کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اُن کے سامنے اسلام کی تفہیم بہت مشکل ہے، مثلاً اہل مغرب، اسلام کو مغرب کے مقابلے میں مختلف سمجھنے کے بجائے اس کو مغرب سے کم تر جانتے ہیں۔ اسلام کو متنوع اور ترقی پسند مذہب سمجھنے کے بجائے اس کو منجمد اور ترقی کا دشمن مانتے ہیں، اسلام ان کی نظر میں حلیف ہونے کے بجائے حزب مخالف ہے، اس لئے یہ قومیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور امتیاز کو نہ صرف درست خیال کرتی ہیں بلکہ اس کی پذیرائی بھی کرتی ہیں، افسوس کی بات یہ ہے کہ جو لوگ مغرب میں امتیاز و نسل پرستی کے خلاف آواز اُٹھانے والے ہیں، اِن کی نظر میں بھی "اسلاموفوبیا" کی کوئی بری بات نہیں ہے، صورتحال یہ ہے کہ یورپ اور مغرب کی طرف سے دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی ایسی تصویر ذہنوں میں بٹھادی گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام اور مسلمان ان کی قومیت اور تہذیب کے بالکل برعکس بلکہ اُس کے دشمن ہیں، لہٰذا ان سے مفاہمت اور ہم آہنگی ممکن نہیں ہے۔

Many of the stereotypes and misinformation that contribute to the articulation of islamophobia are rooted in a particular perception of

Islam, such as the notion that Islam promotes terrorism: especially prevalent after the September 11,2001 attacks."(IslamophobiaWatch)

Runnymede" نے اسلام کے بارے میں اپنی رپورٹ میں مغربی نظریات کو 8 شقوں میں بیان کیا trust" ہے، جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

1)Islam is seen as a monolithic bloc, static and unresponsive to change.

2)It is seen as separate and 'other.'' It does not have vatues in common with other culture, is not affected by them and does not influence them.

3)It is seen as inferior(کمتر) to the Wast.It is seen as barbaric , irrational, primitive, and sexist(جنس پرستی).

4)It is seen as Violent, aggressive, threatening, Supportive of terrorism, and engaged in a clash of Civilization.

5)Ti is seen as a political ideology,used for political or military advantage.

6)Criticism made of "The West "by Muslims are rejected out of hand.

7.Hostility towards Islam is used to justify discriminatory practices towards Muslims and exclusion of Muslims from mainstream society.

8)Anti-Muslim hostility is seen as natural and normal.(Runnymede Trurt's report on lslamophobia-1997)

1)اسلام کے بارے میں خیال ہے کہ یہ ایسا سیاسی نظام ہے جو کسی دوسرے نظام کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہو سکتا ہے:وہ تبدیلیوں کے خلاف ہے۔

2)ان کا خیال ہے اسلام مغربی دنیا سے الگ تھلک رہنے والا ایک جامد مذہب ہے اور وہ مشترکہ اقدارِ حیات پر یقین نہیں رکھتا ہے، اس میں نہ قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی اثر انداز ہونے کی۔

3)اسلامی نظام کو مغربی نظام حیات سے اہل مغرب کمتر سمجھتے اوراسے غیر مہذب اور غیر معقول، قدامت پرستی اور جنسی امتیازات کی وکالت کرنے والا مذہب قرار دیتے ہیں۔

4)اسلام کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ تشدد کا حامی، جارحانہ، خطرناک، دہشت گردی کو فروغ دینے والا اور تہذیبی تصادم کو بھڑکانے والا مذہب ہے۔

5)اسلام کو روحانی مذہب سمجھنے کے بجائے اس کو ایک ایسا سیاسی نظام سمجھتے ہیں جس کا استعمال سیاسی اور عسکری بالادستی حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

6)مسلمانوں کی طرف سے مغرب کے خلاف جو آواز اُٹھائی جاتی ہے اس کو فوراًروک دیا جاتا ہے۔

7)مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک اور ان کو سماجی دھارے سے خارج کرنے کے لئے اسلام کے ساتھ دشمنی پر مبنی رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔

8)مسلمانوں کے خلاف ظلم وستم کو فطری اور معمول کی کارروائی قرار دیا جاتا ہے۔(عراق میں پانچ لاکھ بچوں کے قتل ِعام پر سابق امریکی وزیر خارجہ(میڈلین البرائٹ)کا بیان اس کا ثبوت ہے)۔

تاہم RUNNYMEDE TRUST کی رپورٹ میں بھی مسلمانوں سے تعصب برتا گیا: کیونکہ اس میں بتایا گیاہے کہ SELFHELP کے طور پر مسلمانوں کو یہودیوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون کرنا چاہیے اور ہر وہ چیز جس سے یہودیوں کے احساسات کو ٹھیس لگتی ہو، مسلمانوں کی طرف سے اس کی بھرپور مذمت ہونی چاہیے لیکن اسی ادارہ نے 1993ء میں ANTI-SEMITISM پر رپورٹ شائع کی تو یہودیوں کو یہ مشورہ دینا گوارہ نہیں کیا کہ وہ مسلمانوں کے احساسات کا لحاظ رکھیں۔اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ کہیں نہ کہیں ان دانشوروں کے دل میں بھی اسلام اور مسلمانوں کا خوف بیٹھا ہوا ہے۔یعنی مغرب کے یہ دانشور بھی اسلام اور مسلمانوں سے متعلق مفروضوں کی بنیاد پر اصلی یا مصنوعی خوف کا شکار ہیں جس کے تدارک کی ذمہ داری تمام مسلمانوں کی بالعموم اوراہل علم ودانش کی بالخصوص ذمہ داری ہے۔

اسلام اور گلوبلائزیشن(Globalization)

از قلم: سیدہ عروسہ اشرف جیلانی

اس دنیا میں اسلام کے علاوہ کوئی بھی مذہب ایسا نہیں ہے کہ جس کے خلاف اتنی سازشیں کی جارہی ہوں، جس کو توڑنے کے لئے اتنی تنظیمیں کام کررہی ہوں۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے کہ جس کی تعلیمات کو مسخ کرنے، اس کی خدمات کو جھٹلانے اور اس کے کردار کو دھندلا کرنے کے لئے ہر زمانے میں اس کے اوپر الزامات کی بوچھاڑ کی جارہی ہے۔ کبھی اسلام کے ماننے والوں کو دہشت گرد کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو کبھی انہیں جدت کا مخالف ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ بات آج بھی میں فخر سے کہہ سکتا ہو کہ آج بھی اگر اسلام کے ماننے والوں کو اُسی طرح سہولتیں دی جائیں جس طرح "ڈولر" رکھنے والے (یعنی یورپ کے باشندے) کو دی جاتی ہے اور یہ تمام رُکاوٹیں ختم کی جائیں تو ہر مسلمان جدیدیت تو کیا اس سے بھی آگے کی چیزیں ہر انسان کے لئے تخلیق کر سکتا ہے لیکن انسان دشمن قومیں کسی بھی صورت یہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ اور رُکاوٹیں، دشواریاں پیدا کی جارہی ہیں تاکہ ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی وجہ سے دنیا کے کسی بھی معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہوں۔

آج اسلام کو گلوبلائزیشن کا مخالف، محدود اور قدیم سوچ کے مالک اور دیگر اقوام سے کٹا ہوا قرار دیا جارہا ہے۔ آیئے پہلے ہم گلوبلائزیش کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، گلوبلائزیشن افراد، سازوسامان اور نظریات کے دنیا بھر میں پھیلاؤ اور تبادلے کا نام ہے۔ یہ براہ راست تبدیلی، جدت اور دنیا بھر کے مختلف علاقوں کے مابین بڑھتے ہوئے باہمی تعلقات پر مشتمل ہے۔

گلوبلائزیشن انسانی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے جو انسان کی فطرت کی طرح اس کے اندر داخل ہے۔ یہ ایک ایسا رجحان ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تاکہ وہ زندگی کے بہترین مواقع حاصل کرے اور اسے محسوس کرنے کے لئے اپنے اردگرد موجود افراد کے ساتھ وسائل اور تجربات کا تبادلہ کرتے ہوئے زندگی بسر کرسکے۔

اسلام اور گلوبلائزیشن کے حوالے سے جاری اس نام نہاد بحث کو صحیح طور پر سمجھنے، اس کے حقیقی مفہوم تک رسائی حاصل کرنے اور آج کے دور میں اس سے ملتے جلتے ہر عمل کے درمیان فرق کرنا انتہائی ضروری ہے۔

اسلام اور گلوبلائزیشن کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اکثر احباب گلوبلائزیشن سے ملتے جلتے تصور ویسٹرنائزیشن کو گلوبلائزیشن کے لبادے میں پیش کرتے ہیں حالانکہ ویسٹرنائزیشن بنیادی طور پر گلوبلائزیشن سے بالکل مختلف ہے۔

گلوبلائزیشن کا مقصد اس فاصلے کو ختم کرنا ہے جس نے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے۔ مختلف گروہوں اور طبقات کے درمیان یہ دوری معاشی، معاشرتی، سائنسی اور سیاسی انتظام و انصرام کے حوالے سے فوائد اور معلومات کے تبادلے سے ہی ختم کی جاسکتی ہے۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے تمام طبقات اور مختلف گروہ معلومات کا تبادلہ کریں، ایک دوسرے کے اخلاقی اصول واقدار کو سمجھیں اور ایک مشترکہ پلیٹ فارم کی بنیاد رکھیں۔ اسلام کے ماننے والوں نے بھی کبھی بھی انسانیت کو فائدہ پہنچانے والے کسی بھی کام کو بے فائدہ یا بے معنٰی قرار نہیں دیا بلکہ کسی بھی قسم کا کوئی فائدہ جس میں انسان کے نقصان کا کوئی پہلوں موجود نہ ہو تو ضود اُس کی اشاعت کی ہے اور اُس کے ماننے کرنے والوں کا احترام کیا ہے، اسی لئے اس مذہب میں تمام انسانیت کے لئے دعوتِ خیر ہے۔

دوسری طرف جب ہم ویسٹرنائزیشن پر نظر کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ویسٹرنائزیشن میں ایک دوسرے کو سمجھنے اور مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرنے کو قابل توجہ نہیں گردانا جاتا۔

گلوبلائزیشن ایک عمل ہے جس میں ساری دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔۔۔ جہاں کم ترقی یافتہ گروہ اپنی حالت کو سدھار سکتے ہیں۔ یہ ایک دوطرفہ عمل ہے جو ہر گروہ کے لئے "کچھ لو اور کچھ دو" کے اصول کو ممکن بناتا ہے۔

جبکہ اس کے برعکس ویسٹرنائزیشن کا عمل بند گلی کی طرف لے جاتا ہے۔ گلوبلائزیشن میں مختلف گروہ آزادانہ مرضی سے اس عمل کو اختیار کرتے ہوئے فوائد و معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں جبکہ ویسٹرنائزیشن کا عمل دوسرے علاقوں پر جبراً مسلط کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کرنا نہایت اہم ہے کہ اسلام لوگوں کو وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کا حکم دیتا ہے کہ خیر پر مبنی صلاح و فلاح کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے اور شر و فساد کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکمل طور پر قطع نظر اس سے

کہ پڑوسی مسلمان ہے یا نہیں اس اصول کو نافذ فرمایا۔ یقینی طور پر اس اصول کو عالمی سطح تک بھی پھیلایا جاسکتا ہے۔ کچھ اقدامات اخلاصِ عمل کے ساتھ کرنے کی بے حد ضرورت ہے۔



قربانی کی فضیلت



از قلم: ڈاکٹر محمد عمر سمیع

قربانی ایک بہترین جذبے کا نام ہے، جو انسان کو کسی بھی صورت رسوا نہیں ہونے دیتی، جس کا فائدہ انسان کی کامیابی صورت میں نظر آتا ہے، یہ عمل اللہ کو بہت پسند ہے، اس عمل سے انسان کے تعلقات مضبوط ہوتے ہیں، انسان بڑی آسانی سے دوسروں کے دل جیت سکتا ہے، اللہ رب العزت نے اس عمل کی اشاعت کے لیے اس کو عبارت شمار فرمایا ہے۔ قربانی سے انسان کی زندہ دلی کا پتہ چلتا ہے چاہے وہ مال کی ہو یا جان کی۔ بشر طیکہ وہ خالص اللہ کی رضا کے لئے ہو۔ انسان قربانی سے ہی اپنا اصل مقام حاصل کرتا ہے۔

قربانی کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ قربانی کا عمل ہر عظیم انسانی گروہ میں جاری رہا، ہر اُمت میں اس پر بہت زور دیا کیا گیا اور آخری اُمت (اُمتِ محمدیہ ﷺ) کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مقبول قربانیوں کا ذکر فرمایا، قرآن مجید میں اس کی دلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کے ذکر کی صورت میں موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی رضا اور حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لئے پیش کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس خلوصِ نیت کو اپنی بارگاہ میں اس طرح قبول فرمایا کہ مسلمانوں کی تربیت کے لیے ہر سال اُمتِ محمدیہ پر یہ واجب کر دیا کہ اگر تم استطاعت رکھتے ہو (یعنی اتنا مال رکھتے ہو کہ تم بآسانی قربانی کے لئے جانور خرید سکتے ہو) "صاحب حیثیت ہوں" تو تمہیں عیدالاضحیٰ کے موقع پر اللہ کی راہ میں قربانی دینی ہوگی۔ اسی لئے مسلمان ہر سال عیدالضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی کرتے ہیں اور سنت ابراہیمی پر چلتے ہوئے اس عظیم خلوص کا اظہار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ قربانی کے ذریعہ اپنے بندے کی نیت دیکھتا ہے اور بندے کا خلوص ہی اس کی قربانی کو اللہ کی بارگاہ میں قبول کرواتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ کے حکم کے مطابق قربانی ادا کریں اور کھلے دل سے غریبوں کی مدد کریں، اس عمل سے اللہ خوش ہوتا ہے، اپنا قرب عطا کرتا ہے اور اُس کو اپنی طرف بڑھنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔



صحت انسان کے اختیار میں

زَبِیبٌ، کشمش، Raisins:

از قلم: ادارہ

مشہور عام چیز ہے کشمش میں عمدہ وہ ہے جو سائز میں بڑی ہو، اس میں گودا اور رس بھرپور ہو اور چھلکا باریک ہو گٹھلی ناپیدا ہو اور اس کا حجم نہ چھوٹا ہو نہ بڑا۔



حضرت تمیم الدارمی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کو کشمش بطورِ ہدیہ پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے اپنے دست اقدس میں اسے رکھ کر اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "اسے کھاؤ، کشمکش بہترین طعام ہے، جو تھکاوٹ کو دور کرتا ہے، غصہ کی آگ کو بجھاتا ہے، اعصاب کو قوت بخشتا ہے، منہ کی بدبو زائل کرتا ہے، بلغم کو دور کرتا ہے اور رنگ کو نکھارتا ہے۔

عليكم بالزبيب فإنه يكشف المرة ويذهب بالبلغم ويشد العصب ويذهب بالعياء، ويحسن الخلق، ويطيب النفس ويذهب بالهم". أبو نعيم

کشمش کو لازم کرلو۔۔۔ اس لیے کہ یہ صفرا کو ختم کرتی ہے اور بلغم کو دور کرتی ہے اور پٹھوں کو مضبوط کرتی ہے تھکن کو ہٹاتی ہے۔ اخلاق (مزاج) کو بہتر کرتی ہے جی کو بھلا کرتی ہے اور فکر کو زائل کرتی ہے۔ (رواہ ابو نعیم)

- "نعم الطعام الزبيب يشد العصب ويذهب بالوصب ويطيب النكهة ويذهب بالبلغم ويصفي اللون".

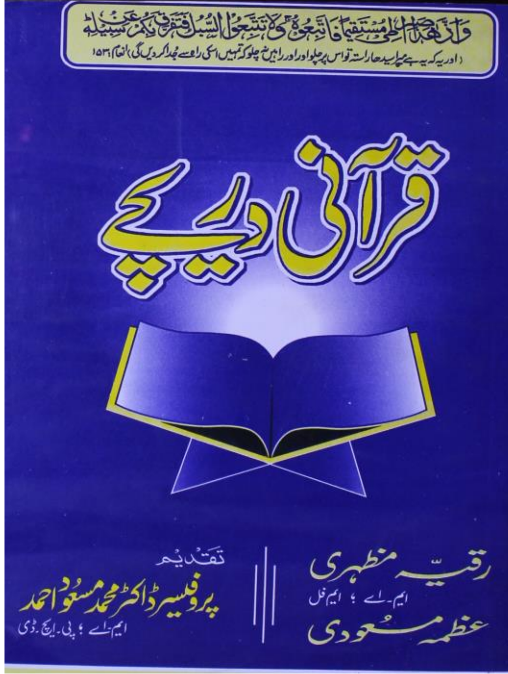
کیاخوب کھاناہے کشمش (کہ) پٹھوں کو قوت دیتی ہے اور درد کو ختم کرتی ہے اور منہ کی بو کو خوشبو بناتی ہے اور بلغم کو دور کرتی ہے اور رنگ کو نکھارتی ہے۔



کتاب کا حصہ

قرآن سے ہمارا تعلق:

از قلم: ادارہ



اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآن نازل فرمایا، کرم بالائے کرم یہ ہے کہ ایک کامل عملی نمونہ بھی عطا فرمایا(ﷺ) قرآن کریم پڑھ پڑھ کر اور اس عظیم نمونہ کو دیکھ دیکھ کر سب بنتے سنورتے چلے گئے، قرآن کریم سارے علوم فنون کا سرچشمہ اور سارے انسانی مسائل کا حل ہے، ہم نے قرآن کریم کو بہت ہلکا جانا حالانکہ یہ وہ کتاب مبین ہے جو اگر پہاڑوں پر اُترتی تو پہاڑ کانپ جاتے۔ دنیا کے دانشوروں نے بھی بہت دیر میں اس کو سمجھا ہے، جب تصب اور تنگ دلی کی تاریکیاں چھپنے لگیں اور علم و حکمت کی روشنیاں پھیلنے لگیں۔ بہت سے غیر مسلم مرد اور عورتوں نے قرآن کریم کی عظمت کا اعتراف کیا مثلاً، ڈاکٹر جالسن، گوئٹے، پروفیسر مار گولیوس، ڈاکٹر گستاؤلی بان، ایچ۔ جی۔ویلر، پروفیسر ہربرٹ رائل، ڈاکٹر اسٹینلے پول، ڈاکٹر راؤں ڈیل، نپولین، ڈاکٹر ایڈورڈ ڈینی راس، تھامس کارلائل، ڈاکٹر رابدرناتھ ٹیگور، سروجنی نائیڈو، ایم۔کے گاندھی، ڈاکٹر مارس بکائے، وغیرہ وغیرہ۔

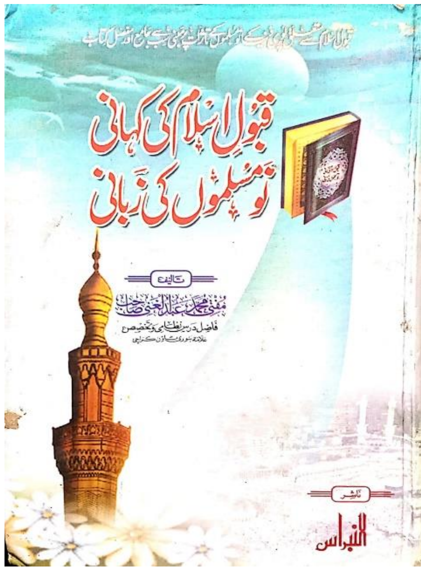
اسلام کے دور اول میں قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ نے دو برس تک ہماری تعلیم کا نصاب رہا ہے۔۔ہاں صرف اور صرف قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ ان دوسوں برسوں میں مسلمانوں نے کتنی ترقی کی ۔تاریخ میں یہ شاندار ریکارڈ محفوظ ہے۔ یہ وہ دور تھا جب درس نظامی میں شامل کتابوں میں سے ایک کتاب بھی نہ تھی۔ بات جب بگڑنی شروع ہوئی جب بعض مفاد پرست علماء نے اپنے اپنے اغراض و مقاصد کی خاطر آیات شریفہ کی کھینچ تان شروع کر دی (معاذ اللہ) یہی نہیں بلکہ بعض آیات کو چھپایا اور بعض آیات کو دکھایا اور سنایا اس خیانت سے انہوں نے قرآن کریم کی ترجمانی تو نہیں کی بلکہ اپنے نفس کی ترجمانی کی۔۔ فکر و عمل کے سدھار کے لئے محبت و عشق اور خلوص و للٰہیت ضروری ہے۔

(رقیہ مظہری، عظمہ مسعودی، تقدیم: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، قرآنی دریچے، ص:6، مطبوعہ: ادارہ مسعودیہ ، کراچی، پاکستان، 2001)

اختیاری اور غیر اختیاری مخلوق

از قلم: ایڈیٹر

میں نے 2019 میں اس کتاب کا مطالعہ کیا مجھے لگا کہ اس کتاب کے اس مقدمہ میں بہت سی اہم باتوں کو بہت آسان اور واضح الفاظ میں پیش کیا گیا اس لئے میں نے اس کو آگے بڑھا رہا ہوں۔ مفتی صاحب نے اپنی اس کتاب "قبولِ اسلام کی کہانی، نو مسلموں کی زبانی" کا مقدمہ لکھتے ہوئے ذکر کرتے ہیں:



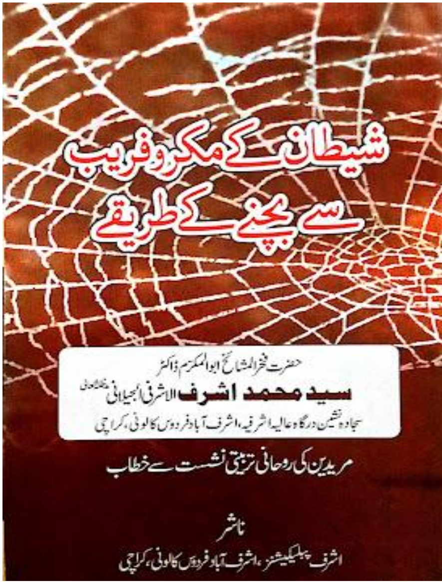
انسان اور حیوان کا مقابلہ کریں۔ حیوان اپنی ضروریات کا سامان اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ان کا لباس ان کے ساتھ ہوتا ہے جو موسم کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ناخن، پنجے وغیرہ دفاع کے ہتھیار اس کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ جن غذاؤں پر اس کی زندگی کا مدار ہے، پیدا ہونے کے ساتھ اس کو ہر طرف جنگل ہو یا پہاڑ، خشکی ہو یا دریا، ویرانہ یا آباد ہر جگہ مہیا ملتی ہیں۔
انسان کا یہ حال ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو کسی قسم کا سامان اس کے پاس نہیں ہوتا۔ اس کی جلد نازک ہوتی ہے۔ ہاتھ پاؤں کمزور ہوتے ہیں۔ جسم پر کوئی لباس نہیں ہوتا۔ دشمن سے حفاظت کے لئے سینگ یا پنجے ہوتے۔ اس کے ساتھ ساتھ عام فطرت کی جتنی چیزیں ہیں اس کے گردوپیش ہوتی ہیں، سب اس کی دشمن نظر آتی ہیں۔ آفتاب کی گرمی، بادلوں کی جھڑی، لوؤں کی لپیٹ، جاڑوں کی ٹھنڈ۔ ہر چیز چاہتی ہے کہ اس کو تباہ کر دے۔

ان مصائب اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے قدرت نے اس کو کوئی جسمانی ہتھیار نہیں دیا، کیونکہ جن بے شمار اور پُرزور دشمنوں کا اس کو سامنا کرنا تھا، اس کے لئے کوئی جسمانی آلہ کافی نہیں ہو سکتا تھا۔ قدرت نے اس کو ان ہتھیاروں کے بدلے ایک ایسی عام قوت عطا کی جس کے ذریعہ سے اس نے ہر قسم کے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے جدا سامان تیار کئے۔ دھوپ، گرمی، جاڑے سے محفوظ رہنے کے لئے ہر قسم کا لباس اور مکانات بنائے جاموروں سے مقابلے کے لئے تیغ و خنجر تیار کئے، دریاؤں پر پل باندھے، پہاڑ تراشے، لوہا پگلایا، برق کو مسخر کیا، ہوا کو تھاما، غرض تھوڑے عرصہ کے بعد دیکھا تو تمام کائنات اس کے پنجہء اقتدار میں تھی۔

اس عام قوت کا نام عقل کلی یا عقل انسانی ہے۔ لیکن قدرت کو منظور تھا کہ انسان کی ترقیاں بلند سے بلند نقطہ پر بھی پہنچ کر ٹھرنے نہ پائیں، اس کے لئے وہ یعنی قدرت ایک دم بھی انسان کو چین نہیں لینے دیتی، وہ اس کے مخالفوں کو نئے نئے ہتھیار دیتے جاتی ہے، جس سے انسان پر نئے نئے طرح کے حملے کیے جاتے ہیں، جن بیماریوں کا علاج معلوم ہو چکا تھا اس کے علاوہ نئے امراض پیدا ہوتے ہیں، دنیا کا جغرافیہ جس قدر معلوم ہو چکا تھا ،اس کے علاوہ نئی آبادیوں کا پتہ لگتا ہے اور وہاں نئی ضروریات پیش آتی ہیں۔ آرام و آشایش کے جو سامان مہیا ہو چکے تھے، راحت طلبی کا مادہ بڑھ کر وہ سامان بے کار ہو جاتے ہیں۔ مجبوراً انسان نئے مخالفوں کے مقابلہ کے لئے نئی تیاریاں کرتا ہے اور ترقی کی جس حد تک پہنچ چکا تھا اس سے آگے نکل جاتا ہے۔

(مفتی محمد عبدالغنی صاحب، قبولِ اسلام کی کہانی نومسلم کی زبانی، ص:13-14 مطبوعۃ: ادارۃُ الانور، کراچی، پاکستان، 2005)

کتاب پر تبصرہ



"شیطان کے مکروفریب سے بچنے کے طریقے"

از قلم: سید محمد وقار اشرف جیلانی

کتاب: شیطان کے مکروفریب سے بچنے کے طریقے

مؤلف: ڈاکٹر سید محمد اشرف جیلانی مدظلہ العالی

ناشر: اشرف پبلیکیشنز، اشرف آباد فردوس کالونی، کراچی، پاکستان

یہ کتابچہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں "شیطان کے مکروفریب "کے بارے میں اور اس کے مکروفریب سے بچنے کے بارے بہترین اُصول بیان کیے گئے ہیں، جو ہر انسان کے عمل کرنے کے لئے بہت آسان ہیں، اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی سے انسانیت کے دشمن کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا ہے کہ اس کو پڑھ لینے کے بعد کوئی بھی شخص نہ صرف شیطان کے فریب کو پہچان سکتا ہے بلکہ اُس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش بھی کر سکتا ہے۔ اس کتاب میں مصنف کی طرف سے تحقیقی انداز بھی اختیار کیا ہے تاکہ یونیورسٹیوں، کالجز کے اسٹوڈینٹ بھی اس سے اسفادہ حاصل کر سکیں۔

اس کتاب کے کچھ حصے کو میں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہوں گا اس کتاب میں انسانیت کے دشمن "شیطان" کے بارے میں اس طرح سمجھایا ہے کہ "دشمن بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک دشمن تو وہ ہے کہ جو ہم پر حملہ کرے تو ہمیں نظر آجائے ہم اس کو دیکھیں یعنی ہم جانتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا دشمن ہے اب جس دشمن کو آپ جانتے ہیں وہ آپ کو نظر آتا ہے اس سے بچنے کی صورت تو آپ کر سکتے ہیں، کوئی تدبیر کر سکتے ہیں، اپنی حفاظت کر سکتے ہیں، اس لیے کہ آپ اس دشمن کو دیکھ رہے ہیں۔ جہاں سے بھی حملہ کرے گا آپ دیکھ لیں گے آپ نے دور سے دیکھا دشمن آرہا ہے، آپ نے اپنا راستہ بدل لیا آپ نے دیکھا قریب پہنچ گیا ہے آپ دوڑ کر دور چلے گئے یا اور کوئی اپنی حفاظت کا انتظام کر لیا لیکن یہ اُس شخص کے لئے ہے جس کو دشمن نظر آرہا ہے۔ شیطان ایسا دشمن ہے کہ جس کا دشمن ہونا یقینی ہے لیکن یہ نظر بھی نہیں آتا اب وہ دشمن جو نظر نہ آئے وہ کتنا خطرناک ہے اُس کے

مقابلے میں جو دشمن نظر آرہا ہے، آپ اس کو نہیں دیکھ رہے تو یہ کتنا خطرناک دشمن ہے اور یہ ایسا دشمن ہے جو ہمیں دیکھتا ہو اور ہم اسے نہ دیکھتے ہوں یہ کتنی خطرناک بات ہے۔ ہمیں پتا ہی نہیں کہاں سے آرہا ہے؟ کہاں سے حملہ آور ہو رہا ہے؟ اس لیے کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتا وہ قریب بھی آکر بیٹھ جائے تو ہمیں پتا نہیں، سامنے سے آرہا ہے تو پتا نہیں، دور ہے تو پتا نہیں، قریب ہے تو پتا نہیں، اس لیے کہ نظر نہیں آرہا۔ "جو دشمن نظر نہیں آئے وہ بڑا خطرناک ہوتا ہے تو اب بتائیں جو دشمن نظر نہ آئے اس سے کیسے بچیں گے؟ اس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے؟ جب تک نظر نہیں آئے گا تو ہم بچیں گے کیسے؟۔ اللہ رب العزت کے کلامِ پاک میں شیطان کے خطرناک دشمن ہونے کی تصدیق موجود ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿البقرۃ:١٦٨﴾ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"

اس کی دشمنی کوئی چھپی ہوئی نہیں ہے بلکہ کھلی ہوئی ہے، ازل سے چلی آرہی ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور قیامت تک چلتی رہے گی تو اب ہم کیا کریں؟ جو دشمن نظر نہ آئے اس سے کیسے بچیں جو ہمیں دیکھتا ہے لیکن ہم اسے نہیں دیکھتے جب ہم پریشان ہوئے کہ ہم کیا کریں؟ اس دشمن شیطان سے کیسے بچیں؟ تو اس کے لئے بزرگانِ دین اولیاء کاملین نے بہترین طریقہ بتایا کہ دیکھو جو دشمن نظر آئے اس سے تو تم اپنی حفاظت کر سکتے ہو اور جو دشمن نظر نہ آئے یعنی وہ دشمن تمہیں دیکھتا ہو تم اسے نہیں دیکھتے ہو تو اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُس ذات کی پناہ حاصل کرو جو ذات اسے دیکھتی ہو یہ اُسے نہ دیکھتا ہو اب شیطان ہمیں دیکھتا ہے اور ہم اسے نہیں دیکھتے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اسے دیکھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ اللہ کی پناہ میں آجاؤ تم شیطان سے محفوظ رہو گے اس لیے ہم کہتے ہیں۔ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) ترجمہ: اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے "یعنی جو اللہ کی پناہ میں آگیا سمجھو وہ شیطان کے حملوں سے محفوظ ہو گیا اس طرح ہم اس سے بچ سکتے ہیں۔ (بحوالہ: شیطان کے مکروفریب سے بچنے کے طریقے، ڈاکٹر سید محمد اشرف جیلانی، ص:7-8، مطبوعہ: اشرف پبلیکیشنز، اشرف آباد فردوس کالونی، کراچی)

یعنی اللہ کی ذات سے تعلق مستحکم (مضبوط) ہو تو شیطان سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اس کتاب میں اور بھی شیطان (ملعون) سے بچنے کے بہت سے مؤثر طریقے موجود ہیں۔

اس کتاب کا اصلاحی کردار:

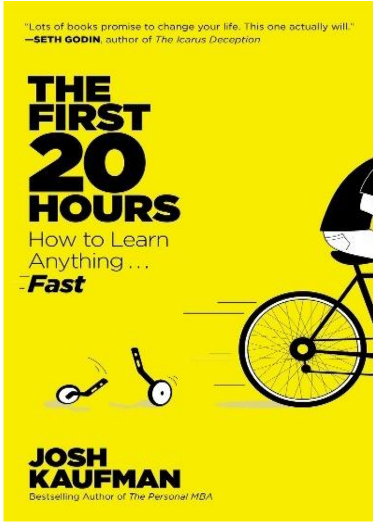
اس کتاب کی یہ تحریر ہفتہ وار تربیتی نشست میں اصلاحی و تربیتی بیان ہے جو ایک کتاب کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ حضرت فخر المشائخ ابوالمکرم ڈاکٹر سید محمد اشرف اشرفی الجیلانی مد ظلہ العالی نے یہ ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ جس سے اصلاحی تربیت صرف ایک نشست تک ہی محدود نہیں رہے گی بلکہ بہت سے مقام و اوقات میں اس سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ (الحمد اللہ) یہ ہم پر اللہ کا خاص فضل ہے۔ ورنہ دور حاضر میں اصلاحی بہت مشکل ہو گی ہے۔

علامہ عرفان قادری اشرفی لکھتے ہیں:

آج کل خانقاہی نظام تنزلی کا شکار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پیرانِ عظام نے اسلاف کے طور و طریقے کو چھوڑ دیا۔ مریدین کی تربیت کا کوئی خاص اہتمام نہیں اکثر خانقاہوں میں ایسا کوئی پروگرام نہیں ہوتا کہ جہاں مریدین و معتقدین کی باقاعدہ ترنیت کی جائے اور انہیں تصوف اور طریقت کی تعلیم دی جائے لیکن الحمد اللہ! آج کے اس پُر فتن دور میں جبکہ ہر طرف فتنے ہی فتنے ہیں اور نئ نئ باتیں، نئ نئ چیزیں سامنے آرہی ہیں۔ ایسے وقت میں بہت سی خانقاہیں اور درگاہیں ایسی ہیں کہ جہاں اب بھی اسلاف کے طریقے پر تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مریدین کو تذکیہ نفس اور تصفیہ قلب کرایا جاتا ہے۔ آج بھی ایسی شخصیات موجود ہیں جو مریدین کی تربیت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ("شیطان کے مکروفریب سے بچنے کے طریقے"، کتاب کے ابتدائیہ میں" علامہ عرفان اشرفی مد ظلہ العالی نے ذکر کیا ہے، ص:4، مطبوعہ: اشرف پبلیکیشنز، اشرف آباد فردوس کالونی، کراچی ،پاکستان)

اس کتاب کو پڑھ کر دل سے دعا کرتا ہو کہ "اے اللہ فخر المشائخ کو صحت و تندرستی عطا فرماں اوران کے اس اصلاحی انداز میں اور برکت عطا فرماں"۔ آمین

کتاب پر تبصرہ



The First 20 Hours - Josh Kaufan

از قلم: سیدہ ام عمارہ اشرف جیلانی

The First 20 Hours - Josh Kaufman

پہلے 20 گھنٹے

اس کی جو خاص بات ہے وہ یہ ہے کہ یہ کتاب سیکھنا سیکھاتی ہے بڑی دنیا سیکھنا چاہتی ہے وہ کئی سال لگا دیتی ہے لیکن سیکھ نہیں پاتی JOSH KAUFMAN نے اس کتاب میں یہ سیکھا دیا کہ سیکھنا کیسے ہے ۔ JOSH KAUFMAN نے اپنے نظریہ سے یہ بتایا کہ فقد 20 گھنٹے کے اندر آپ کسی بھی SKILL کو اچھا سیکھ سکتے ہیں اور آپ اس SKILL کو اتنا اچھا سیکھ سکتے ہیں کے اُس کے مقابلے میں جیت بھی سکتے ہیں۔

ایک بات اس کتاب میں یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس GAMEPLAN ہے MASTER بننے کا تو آپ کا ٹائم محفوظ ہو جاتا ہے۔ آپ کا سیکھنے کا طریقہ ٹھیک ہے تو آبڑے مناسب وقت میں اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہیں، اچھا شروع میں زور دیتا ہے کہ آپ نے کوئی SKILL سیکھنے کیوں ہے۔ یہ جو WHY ہے، یہ جو آپ کی تمنا ہے، یہ جو آپ کی خواہش ہے کہ مجھے اس SKILL کو سیکھنا ہے، ممکن ہے بڑی پرانی کو خواہش ہو کہ میں نے لکھنا نہیں سیکھا تھا، مجھے پڑھنا آنا چاہیے، ممکن ہے کہ آپ نے SWIMMING کی خواہش کبھی کی ہو اور وہ خواہش خواہش رہ گئی ہو کبھی سیکھی نہ ہو تو یہ کتاب JOSH KAUFMAN کی یہ STEP دیتی ہے آپ کو اگر یہ STEP آپ اُٹھائیں تو آپ اُس SKILL کو پیدا کر سکتے ہیں۔ JOSH KAUFMAN کہیں یہ بات کرتا ہے کہ صرف جاننا ضروری نہیں ہے اس پر عمل کرنا اس کو عمل کی طرف لیکر جانا وہ بڑا ضروری ہے۔ یعنی آپ دینا کے کسی بھی BEST PERSONALITY کی AUTOBIOGRAPHY پڑھ لیں، کبھی بھی آپ کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک اُس کو اپنے عمل میں لیکر نہ آجائیں۔ آپ تالاب میں اُتریں گے نہیں ہاتھ پاؤں مارے گے نہیں تو آپ کو یہ چیزیں نہیں آئیں گی۔ اور اپنی کتاب میں ایک قول ذکر کرتا ہے DR STEPHEN COTTON کا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ

LEARNING IS ONLY VIEWABLE IF YOU ALLOW YOU TO PLAN EDIT AND CORRECT YOURSELF

یعنی اگر آپ سیکھنے سے، LEARNING سے IMPROVE نہیں ہو رہے ہیں، آپ اپنی غلطیاں نہیں نکال رہے، آپ جان نہیں رہے ہیں، آپ سمجھ نہیں رہے خود کو تو اُس LEARNING پھر LEARNING نہیں کہیے۔

اس کتاب کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ نہیں سیکھیں گے تو اس کا آپ کو کیا نقصان ہو گا۔

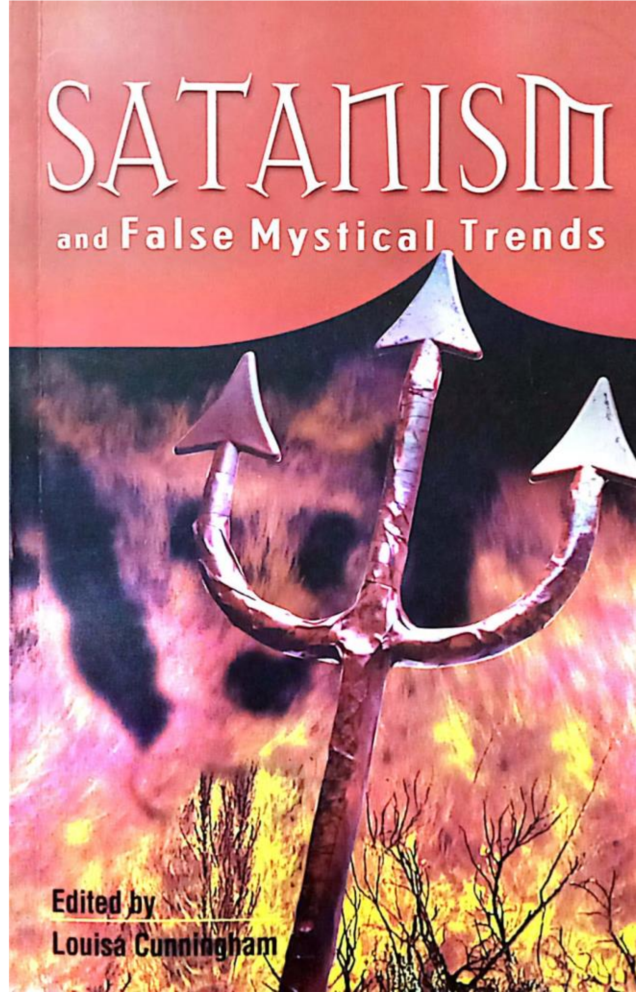
آپ کے پاس پچھتاوا ہو گا کہ کاش میں سیکھ لیتا، کاش یہ چیز ہم نے سیکھی ہوتی، تو اس چھتاوے سے بچنے کے لئے ہمیں جو تمام SKILL سیکھ لینی چاہیے وہ میں سیکھ لیتا۔ جو تمام SKILL سیکھ لینی چاہیں۔

اس کتاب میں وہ اس بات کو بھی ذکر کرتا ہے کہ (SLEEP & STRUGGLE) یعنی سونے سے پہلے جو SKILL اچھا کرنا چاہتے ہو اُس کو کر لو۔ پریکٹس کر کے آپ اُس کے بعد سو جائیں، وہ آپ کے اندر محفوظ ہو جاتی ہیں۔ وہ SKILL اچھا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے اگر آپ کسی چیز کو اپنے اندر محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو صبح 20 منٹ اور سونے سے پہلے 20 منٹ اس پر کام ضرور کریں۔ ایک مہینہ ایسا کریں ۔ آپ خود ہی محسوس کریں گے کہ آپ اس مین بہتر ہو گئے۔

آپ کسی کام کو جانتے ہیں آپ کا اعتماد زیادہ ہے اور اگر آپ کسی کام کو نہیں جانتے تو آپ کا اعتماد اُس میں کم ہے۔ اس مین کوئی دوسری رائے نہیں ہے۔

Satanism and False Mystical trends

شیطانیت اور جھوٹے پوشیدہ رجحانات



Contents

 # ماہنامہ عبقری کا بہترین طریقہ 



از قلم: ادارہ

ماہنامہ عبقری-اگست 2021ء

یہ جان کر خوشی ہوتی ہے کہ "الحمد اللہ" آج بھی بہت ادارے ایسے موجود ہے جن کا مقصد انسانیت کے درمیان راحت کو عام کرنا ہے۔ اور وہ صرف اور صرف ایمان کی تقویت سے ہی ممکن ہے۔ ایک عورت کا تقویت ایمان نسل انسانی میں راحت وسکون بہترین صورت میں پیش کر سکتا ہے۔ ہم عبقری کی اس خدمات پر ان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

نابینا صحابیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کی روشنی واپس کیسے آئی؟

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھرانے کی لونڈی تھیں۔ اسلام کی حقانیت ان کے دل میں گھر کر گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے جونہی حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپے سے باہر ہو گئے اور انہوں نے خود بھی ان کو خوب خوب مارا اور ان کے گھر کے افراد بھی برابر مارتے رہے یہاں تک کہ مکہ کے کفار نے سرِبازار ان کو اس قدر مارا کہ ضربات کے صدمات سے ان کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی اور یہ نابینا ہو گئیں۔ اس کے بعد کفار مکہ نے طعنہ دینا شروع کیے کہ اے زنیرہ! چونکہ تم ہمارے معبودوں یعنی لات وعزیٰ کو برا بھلا کہتی تھیں۔ اس لیے ہمارے ان بتوں نے تمہاری آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے۔ یہ خون کھلا دینے والا طعنہ سن کر حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رگوں میں اسلامی خون جوش مارنے لگا اور انہوں نے کہا: "ہرگز ہرگز نہیں! خدا کی قسم تمہارے لات وعزیٰ میں ہرگز ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ میری آنکھوں کی روشنی چھین سکیں۔ میرا اللہ جو وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے وہ جب چاہے گا میری آنکھوں میں روشنی آجائے گی۔" ان الفاظ کا ان کی زبان مبارک سے

نکلنا تھا کہ بالکل ایک دم ہی اچانک ان کی آنکھوں میں روشنی واپس آگئی۔(حجۃ اللہ علی العالمین ج2 ص876 بحوالہ بیہقی وزُرقانی علی المواہب ج1 ص270)

https://ubqari.org/article/ur/details/12850



آپ سے ایک التجا ہے

آپ کا علم، تحقیق، فکر، سوچ اور رائے ہمارے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے، اس مجلہ کے متعلق کوئی بھی نظریہ ہو یا ہماری کسی قسم کی بھی اصلاح کا کوئی پہلو ہو تو ہماری ضرور رہنمائی کریں، ہم آپ کے مشکور ہیں گے۔
اللہ رب العزت آپ پر اپنا خاص کرم فرمائے۔ آمین

دعا



وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا

قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ
وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ
وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿الأحقاف: 15﴾

اے میرے رب: مجھے توفیق دے کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمایا ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک اعمال کروں جن سے تو راضی ہو اور میرے لئے میری اولاد میں نیکی اور خیر رکھ دے۔





الجامعة المخدومیة الاسلامیة

online

قرآن سیکھیں مفصل تجوید کے ساتھ







Requirements



Laptop/Tab/Ipad

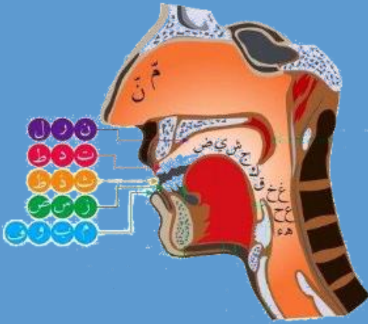




Internet Connection



Microfone







Skype Account

علم دین سیکھنے کا بہترین موقع

اسلام کی بنیادی معلومات کے لیے مختصر کورس



+923342986859